ذبیح کون ہے؟

تالیف

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

مولانا امین احسن اصلاحی

سلسلہ دائرہ حمیدیہ نمبر

ذبیح کون ہے؟

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور
تصنیف "الرای الصحیح فی من ہو الذبیح" کا اردو ترجمہ

از

مولانا امین احسن اصلاحی

ناشر

دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظم گڈھ

تعداد اشاعت	قیمت صرف
۱۰۰۰	۱—۵۰

مطبوعہ

(لکھنؤ فوٹو پرنٹنگ پریس لال کنواں دہلی)

باب دوم

(قرآن مجید سے استدلال)

فہرست مضامین

نمبر شمار | مضمون | نمبر صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ کتاب

الحمد لله خالق الوجود من العدم وجاعل النور من الظلم ومخرج الصبر من الالم، وملقي التوبة على الندم، فنشكره على المصائب كما نشكره على النعم، ونصلي على رسوله الاكرم، ذي الشرف الاشم، والنور الاتم، والكتاب المحكم وكمال النبيين والخاتم، سيد ولد آدم، احمد الذي بشر به عيسى بن مريم ودعا لبعثته ابرهيم حين كان يرفع قواعد بيت الله المحرم، فصلى الله عليه وسلم وعلى اتباعه خير الامم الذين بارك الله بهم كافة الناس من العرب والعجم۔

یہ رسالہ تفسیر نظام القرآن کے مقدمات میں سے ایک مقدمہ ہے، اس میں میں نے صرف اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دونوں بیٹوں ــــ حضرت اسمٰعیل و حضرت اسحٰق علیہما السلام میں سے کس کو قربان کیا؟ اس رسالہ کا تاریخی نام میں نے "الرای الصحیح فی من ھو الذبیح"

رکھا ہے۔

اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ لکھنے کے بعض خاص اسباب ہیں، جن میں سے بعض کی طرف یہاں اشارہ کر دینا چاہتا ہوں،

ا۔ پہلی چیز جو اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ لکھنے کی محرک ہوئی وہ اسلام میں اس کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسلام کی آزمائش کی اور جب اس چیز میں ان کو بالکل پختہ اور راسخ پایا تو ان کو برگزیدہ کیا اور لوگوں کا ان کو امام بنایا۔ قرآن مجید نے صراحۃً اور اشارۃً دونوں طرح اس حقیقت کی وضاحت کی ہے۔ مثلاً فرمایا:۔

وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ	اور یاد کرو، جبکہ امتحان کیا ابراہیم
بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ	کا اس کے پروردگار نے چند باتوں میں،
اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا	تو اس نے وہ پوری کر دکھائیں فرمایا
(بقرۃ ۱۲۴)	البتہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا،

دوسری جگہ فرمایا:۔

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ	اور ہم نے اس کو برگزیدہ ٹھہرایا
وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ	دنیا میں، اور وہ آخرت میں نیکوکاروں
الصّٰلِحِيْنَ، اِذْ قَالَ لَهٗ	میں ہوگا، یاد کرو جب کہ کہا اس سے
رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ	اس کے پروردگار نے سرفگندہ ہو جا،

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ بولا میں سرفگندہ ہوا تمام عالم

(بقرہ ۱۳۰) کے پروردگار کے حضور۔

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس لئے برگزیدہ ٹھہرایا کہ انھوں نے اپنے پروردگار کی اطاعت کی اور جو کچھ ان کو حکم ملا اس کی ٹھیک ٹھیک تعمیل کر دی۔

اس کے بعد بعض دوسری آیات میں، اس اسلام اور اطاعت وسرفگندگی کی اصل حقیقت اور اس امتحان کی نوعیت بھی آشکارا کر دی ہے کہ یہ بیٹے کو خدا کی راہ میں قربان کرنے کا امتحان تھا۔

—— فَلَمَّآ اَسْلَمَا ۔ پس جب وہ دونوں اطاعت کے لئے

وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۔ آمادہ ہو گئے اور ابراہیم نے اس کو

(صافات ۱۰۳) (اسمٰعیل کو) ماتھے کے بل پچھاڑ دیا

اس کے بعد تشریح کر دی ہے کہ اس امتحان سے مراد یہی امتحان ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۔ بے شک یہی کھلا ہوا

(صافات: ۱۰۶) امتحان ہے۔

یعنی اس امتحان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کمال اسلام اور ان کی حوالگی نفس کو بالکل ثابت کر دیا اور یہی چیز توحید کامل اور دین خالص کی اصلی حقیقت ہے۔

اس اسلام کو جس کی حقیقت اوپر بیان ہوئی ہے، عام ملت وشریعت کی

حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے مخصوص فرمایا، اس میں دوسروں کو ساجھی نہیں بنایا، کیونکہ شریعت اسی کو دی جاتی ہے جو اس کو اٹھا سکے۔ اس بارگراں کی متحمل صرف آپ ہی کی امت ہو سکتی تھی۔ اس لئے اسی کو یہ امانت سپرد کی گئی چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کے وقت دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس ذریت میں سے جو اس وادی غیر ذی زرع میں آباد ہے ایک ایسی امت اٹھائے جو اس شریعت کی جو اسلام کامل کی مظہر ہے، حامل ہو سکے۔ اور ایک ایسا پیغمبر مبعوث فرمائے جو اس امت کو اس بارگراں کے اٹھانے کے قابل بنائے اور ان کو اس شریعت کی تعلیم دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قرآن مجید میں ان الفاظ میں نقل ہوئی ہے:۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ	اور یاد کرو جب کہ ابراہیم اٹھا رہا تھا
مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ	گھر (بیت اللہ) کی بنیادیں اور اسمٰعیل
رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ	بھی (اور دونوں دعا کر رہے تھے
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ، رَبَّنَا	کہ) اے ہمارے پروردگار ہماری
وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ	دعا قبول فرما، بیشک تو سننے والا اور
وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً	جاننے والا ہے، پروردگار! اور ہم
لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ	دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا اور
عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ	ہماری اولاد میں سے اپنی ایک فرمانبردار

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ	اے رب ہمارے ان میں ایک
رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا	رسول انہی میں سے بھیج جو ان پر تیری
عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ	آیتیں تلاوت کرے اور ان کو
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ	کتاب اور حکمت سکھائے
وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ	اور ان کو پاک کرے بے شک
أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ	تو غالب اور حکمت والا ہے۔

امت اٹھا اور تبا ہم کو ہمارے حج
کے مراسم اور قبول فرما ہماری توبہ
بے شک تو توبہ قبول کرنے والا ہے
اور مہربان ہے۔ پروردگار اور اٹھا
ان ہی میں سے ایک رسول جو سنائے
ان کو تیری آیتیں اور سکھائے
ان کو شریعت اور حکمت اور ان کو
پاک کرے بے شک تو غالب اور
حکمت والا ہے۔

(البقرہ ۲: ۱۲۸-۱۲۹)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی چنانچہ ان کی اولاد میں سے امت محمدیہ کو اٹھایا اور اس کے ذریعہ سے ملت ابراہیمی کی تکمیل فرمائی جس کی بنا اسلام کامل پر رکھی گئی تھی یعنی جس کی اصل حقیقت خدا کی راہ میں اپنے نفس کو قربان کر دینا ہے۔ پس اس طرح یہ پوری امت گویا اپنے باپ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی سنت کے مطابق خدا کی راہ میں قربان ہے۔ اس کی زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ ایک دعا میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین ہوئی ہے۔ اس میں یہ حقیقت پوری طرح بے نقاب ہو گئی ہے۔

قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي	کہو بے شک میرے پروردگار نے میری

إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ، دِينًا	رہنمائی کی سیدھے رستہ کی طرف سیدھا
قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا	دین، ابراہیم کی ملت، جو یکسو تھا
ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ	اور شرک والوں میں سے نہ تھا۔ کہو
قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي	میری نماز اور میری قربانی، میری
وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ	زندگی اور میری موت تمام عالم کے
رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ	پروردگار اللہ کے لئے ہے، اس کا کوئی
لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا	ساجھی نہیں۔ اسی کا مجھ کو حکم ہوا ہے
أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ	اور میں پہلا مسلم بنتا ہوں (سب سے
(انعام: ۱۶۱-۱۶۳)	پہلا مسلم ہوں)

یہاں "أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ" میں اسلام کا یہی خاص مفہوم مراد ہے۔ ورنہ اسلام اپنے عام معنی میں تو تمام خدائی مذاہب کے لئے بولا گیا ہے۔ البتہ علم اور نام کی حیثیت سے صرف اسی ملت کے لئے استعمال ہوا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس ملت کے پیرو کمال اسلام کے آخری نقطہ پر ہیں۔ یعنی جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے وہ اپنی جان کو خدا کے سپرد کر چکے ہیں اور ان کے اسی وصف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو برگزیدہ کر کے تمام دنیا پر اپنا گواہ بنایا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:۔

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ	اور کوشش کرو اللہ کی راہ میں
جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا	جان توڑ، اس نے تم کو چنا اور نہیں

جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ	رکھی دین میں تم پر کوئی تنگی تمھارے
حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ	باپ ابراہیم کا دین۔ اسی نے
هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ	تمھارا نام مسلم پکارا۔ اس سے
مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ	پہلے، اس ملت میں بھی تمھارا
الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ	نام یہی ہوا تاکہ رسول تم پر
وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ	گواہ ہو اور تم لوگوں پر
عَلَى النَّاسِ۔ (الحج-۷۸)	گواہ ہو۔ . . . . . .

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ اسی نے تمھارا نام مسلم رکھا اس سے پہلے۔ اس میں حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کی طرف اشارہ ہے جس میں انھوں نے امت مسلمہ کا لفظ استعمال کیا ہے:۔ مِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (اور ہماری ذریت میں سے اپنی ایک فرمانبردار امت اٹھا)

اس خاص مقصد کے لئے ایک خاص امت اس لئے اٹھائی گئی کہ اس کے ذریعہ سے یہ نعمت تمام دنیا پر عام ہو اور حضرت ابراہیمؑ کی نسل تمام عالم کے لئے خیر و برکت کا سرچشمہ قرار پائے۔ چنانچہ تورات میں جہاں یہ واقعہ ذبح بیان ہوا ہے وہاں اس برکت کی طرف اشارہ موجود ہے:۔

"اور میں اس وجہ سے کہ تو نے یہ کام کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو مجھ سے بچا نہ رکھا۔ تجھ کو برکت دوں گا اور تیری نسل کو بڑھاؤں گا . . . . . اور تیری

نسل میں زمین کی تمام قومیں برکت پائیں گی کیونکہ تو نے میری بات سنی۔"

(پیدائش باب ۲۲ - ۱۲ - ۱۸)

اس آخری ٹکڑے کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ یہ امت تمام دنیا میں دین خالص اور توحید کامل کی اشاعت کرے گی۔ اس وجہ سے اِن کے ذریعہ سے میری برکت تمام دنیا کی قوموں کو پہنچے گی اور یہی معنی ہیں وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (اور تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو) ___ اور جَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ" (کوشش کرو اللہ کی راہ میں جاں توڑ اس نے تم کو چن لیا) یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو اس عظیم الشان مقصد کی انجام دہی کے لئے چن لیا ہے، پس یہی وہ امت ہے جو اللہ کی راہ میں قربان ہو چکی ہے اور اس کی زندگی و موت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اسی خصوصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت کو لوگوں پر گواہ اور ان کا ہادی و رہبر بنایا ہے۔

اب اس پوری تفصیل پر دوبارہ نظر ڈال کر غور کیجئے کہ اس سے کیا کیا باتیں معلوم ہوئیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ یہی وہ کامل اسلام ہے جو ملت ابراہیمی کی اصل حقیقت ہے۔ اسی کی تکمیل اور تفصیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، اسی کا نام اسلام رکھا، اسی کے پیروؤں کو مسلم کا لقب بخشا۔ اور اسی کی دعوت و تبلیغ کے لئے ذریت اسمٰعیل میں سے جو دین حنیفی کے مرکز بیت اللہ الحرام کے پاس آباد تھی ایک خاص امت مسلمہ مبعوث فرمائی یہ تمام اشارات آیت ذیل میں کس خوبی اور کس اختصار کے ساتھ جمع ہو گئے ہیں۔

اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا، لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔
(الروم:۔ ۳۰)

اپنے رخ کو سیدھا کرو دین کے لئے یکسو ہو کر یہ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت ہے، جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہونی چاہیئے۔ یہی سیدھا فطری دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اب غور کرو، جن لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ امتحان جبل یروشلم پر واقع ہوا اور ذبح ہونیوالے حضرت اسحاقؑ ہیں نہ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام وہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ عظمیٰ کی اصل حقیقت اور مذہب اسلام کے اندر اس قربانی کی اصلی عظمت و اہمیت سے کسقدر بیگانہ ہیں۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں بہت سی آیتیں ایسی ہیں جن کی صحیح تاویل اور جن کے صحیح نظام کا سمجھنا اسی مسئلہ کی تفصیلات کے سمجھنے پر منحصر ہے۔ اس دعویٰ کی بعض دلیلیں تم کو اوپر کی سطروں میں مل چکی ہیں اور بعض اس کتاب کی آیندہ فصلوں میں آئیں گی۔ تفسیر نظام القرآن میں ایک ایک متعلق آیت کے تحت ان مباحث سے تعرض کرنا تکرار و طوالت کا موجب ہوتا اس لئے ہم نے اس معاملہ کی تمام مشکلات کے حل کے لئے اپنی یہ کتاب خاص کر لی ہے۔ پس اس کو ہماری تفسیر کا مقدمہ سمجھنا چاہیے۔

تفسیر میں ضرورت کے وقت ہم اس کا حوالہ دیدیا کریں گے۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہوئی کہ یہود نے اس واقعہ کے چھپانے کے لئے جو کوشش کی ہو وہ کوشش کسی اور دوسرے واقعہ کو چھپانے کے لئے انھوں نے نہیں کی۔ حضرت اسمٰعیلؑ اور خانۂ کعبہ کے معاملہ میں ان کی تحریفات اور ان کے جھوٹ کی کوئی حد نہیں۔ ان میں سے بعض کا ذکر (فصل ۳۲) اور دوسری فصلوں میں آئے گا۔ تورات میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے لیکن اس پر یہود نے تحریفات کے اتنے پردے ڈال رکھے ہیں کہ اصل حقیقت بالکل مسخ ہو کر رہ گئی ہے۔ قرآن مجید نے یہ تمام پردے ہٹا کر معاملہ کے اصل چہرہ کو بالکل بے نقاب کر دیا ہے۔ اور بحث و نظر کی جو مخصوص روش اختیار فرمائی ہے اس کی دو خصوصیتیں یہاں قابل ذکر ہیں۔

(الف) یہود کے تمام موجودہ صحیفوں کا متفقہ بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو صراحت کے ساتھ یہ حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں۔ لیکن قرآن مجید کا بیان اس کے خلاف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید اس سے بالاتر ہے کہ وہ کسی بات کو یہود سے لے یا ان کی مسخ شدہ کتابوں کو اپنا ماخذ بنائے بلکہ وہ تورات کی اصلاح کرنے والا ہے۔ یہود نے اپنی کتابوں میں جو تحریفات کر رکھی ہیں وہ ان کا پردہ چاک کرتا ہے اور ان کی ملائی ہوئی غلطیوں کی تصحیح کر کے اصل حقیقت سامنے رکھ دیتا ہے۔

(ب) تورات میں جہاں قربانی کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ یہود نے بالکل بے تکے طور پر وہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ حضرت اسحاقؑ کا نام ڈال دیا ہے، اور یہ ان کی تمام تحریفات میں سب سے زیادہ بدنما تحریف ہے۔ قرآن مجید نے ان کی اس طرح کی تحریفات سے تعرض کرنا (جن کی تفصیلات فصل۔۳ میں ملیں گی) اپنے بہت سے مصالح کی بنا پر اپنے وقار کے منافی سمجھا۔ اس لئے کھلے لفظوں میں اس کی تردید نہیں فرمائی اور کھلے الفاظ میں اس کی تردید کی ضرورت تھی بھی نہیں۔ یہود نے بعض جگہ حضرت اسحقؑ کا نام ڈال تو ضرور دیا تھا لیکن کلام کی باقی تمام شہادتیں ان کی اس تحریف کی پردہ دری کے لئے بالکل کافی تھیں۔ راہ کے بعض نشانات تو انھوں نے مٹا دیئے تھے لیکن راہ کو بالکل ہی بند کر دینا ان کے بس میں نہ تھا۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ یہ تحریف چونکہ ان کی خواہشوں کے بالکل موافق تھی اس وجہ سے فوراً دلوں میں رچ بس گئی اور انھوں نے اس کو اس مضبوطی سے پکڑا کہ ان کے سلف وخلف سب اس پر متفق ہو گئے، ایک آواز بھی اس کی مخالف نہیں رہ گئی جو لوگ صحیح اور غلط میں امتیاز کرنے کے عادی نہیں ہوتے وہ عام اور مشہور باتوں ہی سے زیادہ متاثر ہو جاتے ہیں۔ یہی صورت اس معاملہ میں بھی پیش آئی، یہود نے ایسے اتفاق رائے اور ایسے زور وقوت کے ساتھ آواز بلند کی کہ عام وخاص سب یہی بولی بولنے لگے۔ اس پر زور پروپگنڈے نے ہمارے بعض ان علماء کو بھی متاثر کر دیا، جو یہود سے روایت قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں خیال کرتے تھے، اور ان کے صحیفوں کے بارہ میں حسن ظن رکھتے تھے، مثلاً ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ انھوں نے اپنی تاریخ میں خود بیان

کیا ہے کہ وہ قوموں کے حالات کے بارہ میں خود اس قوم کے افراد کے بیانات پر اعتماد کرتے ہیں، ہمارے نزدیک یہ تسامح ان حضرات سے اس وجہ سے ہوا کہ وہ ان صحیفوں کی حقیقت سے واقف نہ تھے اور اصلی اور موجودہ تورات میں جو محض چند مخلوط روایات کا مجموعہ ہے پوری طرح فرق نہ کر سکے۔

لیکن یہ غلط فہمی ہمارے صرف بعض علماء کو ہوئی۔ دوسرے علمائے اسلام جو تنقید کی قابلیت رکھتے تھے انھوں نے خود توراۃ کے بیانات ودلائل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ذبح کا معاملہ دراصل حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ پیش آیا ہے نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے ساتھ۔ تاہم اس اختلاف رائے کا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ اس مسئلہ کی اہمیت نگاہوں میں گھٹ گئی۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اس اختلاف کا باعث زیادہ تر اس کی عدم اہمیت کا احساس ہی ہوا۔ اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اس واقعۂ ذبح کو ہماری ملت میں کیا درجہ حاصل ہے تو اس باب میں ان سے جو غفلت ہوئی وہ ہرگز نہ ہوتی۔ ان تین اسباب نے ہم کو آمادہ کیا کہ اس مسئلہ کو پوری طرح واضح کر دیا جائے۔ چنانچہ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر میں نے یہ کتاب لکھی۔

یہ کتاب مقدمہ کے علاوہ تین ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

باب اوّل میں توراۃ اور علمائے اہل کتاب کے بیانات و اعترافات سے استدلال ہے تاکہ یہ دلائل اہل کتاب پر حجت ہو سکیں۔

باب دوم میں صرف قرآنی دلائل و نصوص سے بحث کی گئی ہے۔

باب سوم میں احادیث و آثار، مشہور علماء کے اقوال نیز عرب کے حالات اور ان کی قبل از اسلام کی روایات سے استدلال ہے۔

خاتمہ میں ان تمام مباحث پر ایک جامع نظر ڈالی گئی ہے۔

ان اشارات کے بعد اب ہم اصل مسئلہ کو شروع کرتے ہیں ونسئل اللہ تعالیٰ التائید والتسدید ھو الولی الحمید۔

باب اوّل

تورات اور علماء اہل کتاب کے اعترافات سے استدلال

حالتِ خواب میں وحی اور قربانی سے متعلق بعض اصولی مباحث

۲۔ اصل بحث کے آغاز سے پہلے خواب میں وحی اور قربانی سے متعلق بعض اصولی مباحث کا سمجھ لینا نہایت ضروری ہے۔ یہ اصولی مباحث درج ذیل ہیں۔

الف۔ شریعت خداوندی کے عام مزاج سے یہ بات بہت بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو صریح الفاظ میں اس بات کا حکم دیدے کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر ڈالے۔ البتہ خواب میں یہ بات دکھائی جا سکتی ہے۔ کیونکہ خواب تعبیر کی چیز ہوتی ہے۔ اگر خواب میں کسی کو ذبح کرنا دکھایا جائے تو اس کی سب سے قریب ترین تاویل یہ ہے کہ اس کو خدا کی نذر اور اس کے گھر کا خادم بنا دیا جائے۔ یہود کے یہاں معبد کے جو رسوم تھے ان کی رو سے معبد کے خدام بہت بڑی حد تک قربانی کے جانوروں کے مشابہ خیال کئے جاتے تھے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان پر قربانی کے بعض مراسم ادا بھی کئے جاتے تھے۔ چنانچہ گنتی (۸: ۱۰۔ ۱۲) میں ہے۔

پھر لاویوں کو خداوند کے آگے لانا۔ تب بنی اسرائیل اپنے اپنے ہاتھ لاویوں پر
رکھیں ۱۱ اور ہارون لاویوں کو بنی اسرائیل کی طرف سے ہلانے کی قربانی
کے لئے خداوند کے حضور گذرانے تاکہ وہ خداوند کی خدمت کرنے پر رہیں ۱۲
پھر لاوی اپنے اپنے ہاتھ بچھڑوں کے سروں پر رکھیں اور تو ایک کو خطا کی قربانی
اور دوسرے کو سوختنی قربانی کے لئے خداوند کے حضور گذراننا تاکہ لاویوں کے
واسطے کفارہ دیا جائے ۱۳ پھر تو لاویوں کو ہارون اور اس کے بیٹوں
کے آگے کھڑا کرنا اور ان کو ہلانے کی قربانی کے لئے خداوند کے حضور گذراننا ۱۴
یوں تو لاویوں کو بنی اسرائیل سے الگ کرنا اور لاوی میرے ہی ٹھہریں گے ۱۵
اس کے بعد لاوی خیمۂ اجتماع کی خدمت کے لئے اندر آیا کریں سو تو ان کو پاک
کر اور ہلانے کی قربانی کے لئے ان کو گذران ۱۶ اس لئے کہ وہ سب کے سب
بنی اسرائیل میں سے مجھے بالکل دیدیئے گئے ہیں کیونکہ میں نے ان ہی کو ان
سبھوں کے بدلہ جو اسرائیلیوں میں پہلوٹھی کے بچے ہیں اپنے واسطے لے لیا ہے

اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حضرت ہارونؑ کی اولاد جو معبد کی خدمت کے لئے خاص تھی جب اس کے افراد اس خدمت پر مامور کئے جاتے تھے تو ان پر بعینہ وہی رسمیں پوری کی جاتی تھیں جو قربانی کے جانوروں کے لئے خاص تھیں۔ اس کے شواہد تورات میں بکثرت موجود ہیں۔ یہاں ہم نے صرف بقدر ضرورت پر اکتفا کیا ہے۔ آگے جگہ جگہ اس کی تفصیلات ملیں گی ۔

(ب) غیب کے اسرار و احوال کبھی کبھی رویا کے شکل میں منکشف ہوتے ہیں۔ یہ رویا کبھی تو سپیدۂ صبح کی مانند بالکل روشن اور واضح ہوتی ہے اور کبھی تمثیلی رنگ میں ہوتی ہے۔ جس طرح کلام کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں، کوئی کلام نہایت تصریح کے ساتھ اپنے مفہوم کو بتا دیتا ہے۔ کوئی استعارہ کے رنگ میں ہونے کی وجہ سے تاویل و تعبیر کا محتاج ہوتا ہے۔ اسی طرح رویا کی بھی مختلف حالتیں ہوتی ہیں۔ یہ دوسری قسم کی رویا تعبیر کی محتاج ہوتی ہے اور تعبیر بعض اوقات اس قدر دقیق ہوتی ہے کہ خود صاحب رویا سے بھی مخفی رہ جاتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دونوں جیل کے ساتھیوں اور پھر بادشاہ نے جو خواب دیکھا تھا، قرآن مجید میں مذکور ہے کہ اس کی تاویل سمجھنے سے وہ قاصر رہے۔ تورات میں بخت نصر اور دانیال نبی کے بھی بعض اسی قسم کے خواب مذکور ہیں، جن کی تاویلیں ان پر بہت بعد میں کھلیں یہی صورت حالات بعض مرتبہ انبیاء علیہم السلام کو بھی پیش آجاتی ہے۔ فہم تعبیر ایک مخصوص علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی ایک مخصوص بصیرت و معرفت پر مبنی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے وَعَلَّمْتَنِي مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ (اور تو نے مجھے باتوں کی تعبیر سکھائی ہے) میں اسی علم کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(ج) وحی خواہ رویا کی شکل میں ہو یا عالم بیداری میں، جہاں تک کہ اس پر یقین کرنے کا تعلق ہے، دونوں صورتوں میں اس اعتبار سے کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔ اس بات کا احساس کرنے کے لئے کہ ہمارے اندر کوئی قوت موجود ہے یہ بات کافی ہے کہ وہ قوت فعلاً یا انفعالاً ظاہر ہو جائے۔ اس کے بعد اس پر یقین کرنے کے لئے ہم کسی خارجی دلیل

L 396

کے محتاج نہیں ہوتے، یہ ظاہر ہو جانا ہی اس کی سب سے زیادہ مضبوط دلیل ہے۔ ہمارے اندر سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی قوتیں موجود ہیں۔ ان کے موجود ہونے کی سب سے زیادہ مضبوط دلیل یہ ہے کہ ہم سنتے ہیں، دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ ان پر یقین کرنے کے لئے اس دلیل کے ماسوا ہم کو کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں رہتی یہی حال صاحب وحی کا ہوتا ہے۔ اس کو جو حالت پیش آتی ہے اس پر یقین کرنے کے لئے وہ کسی دلیل خارجی کا منتظر نہیں رہتا۔ ایک قسم کے اضطراب کی کیفیت سے وہ ضرور دوچار ہوتا ہے۔ لیکن اس کو دور کرنے کے لئے یہ بات کافی ہوتی ہے کہ اس حالت کا تجربہ اس کو بار بار ہو جائے۔ پس وحی خواہ بیداری کی حالت کی ہو یا خواب کی، اپنے ساتھ خود یقین و اطمینان کی ٹھنڈک رکھتی ہے جس طرح ہم عالم بیداری میں ایک محسوس حقیقت اور ایک خیال میں فرق کرنے سے عاجز نہیں رہتے دونوں کو بغیر کسی اشتباہ کے الگ الگ پہچان لیتے ہیں اسی طرح وہ خواب جو از قبیل خیال ہوتا ہے اور وہ رویا جو از قسم وحی ہے دونوں ایک دوسرے سے بالکل ممتاز ہوتے ہیں اور دونوں میں بہ آسانی تمیز ہو سکتی ہے۔ علوم نبوت کا یہ دروازہ ختم نبوت کے بعد بھی کھلا ہوا چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ وحی کے احوال و معاملات کا ایک ہلکا سا عکس آج بھی اہل نظر دیکھ سکیں۔ اگرچہ ان دونوں کی حقیقتوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔

د۔ خدا کے حضور میں قربان کرنے یا نذر گذراننے کے لئے ہمیشہ یہ ضروری رہا ہے کہ پہلوٹھا بچہ نذر گذرانا جائے خواہ آدمی کا بچہ ہو یا حیوانات کا۔ یہاں تک کہ زمین کی عام پیداوار میں بھی یہ شرط ضروری تھی کہ فصل کا پہلا پھل پیش کیا جائے۔ خدائی شریعت کا یہ ہمیشہ

قانون ہے جو آدمؑ کے وقت سے موجود ہے اور یہی حکم توریت میں بھی نازل ہوا۔ پیدائش (۴:۴) میں ہے :۔

"اور ہابل بھی اپنے بھیڑ بکریوں کے کچھ پہلوٹھے بچوں کا اور کچھ ان کی چربی کا ہدیہ لایا اور خداوند نے ہابل کو اور اس کے ہدیہ کو منظور کیا۔"

یہ شریعت حضرت آدمؑ کے وقت کی ہے۔ بعینہٖ یہی حکم توریت میں بھی دیا گیا۔ گنتی (۸ :۱۷۔ ۱۸) میں ہے :۔

"اس لئے کہ بنی اسرائیل کے سب پہلوٹھے کیا انسان کیا حیوان، میرے ہیں میں نے جس دن ملک مصر کے پہلوٹھوں کو مارا اسی دن ان کو اپنے لئے مقدس کیا۔ اور بنی اسرائیل کے سب پہلوٹھوں کے بدلے میں نے لاویوں کو لے لیا ہے۔"

خروج (۱۳ :۱۔ ۲) میں ہے :۔

"اور خداوند نے موسیٰ کو فرمایا کہ سب پہلوٹھوں کو یعنی جو بنی اسرائیل میں خواہ انسان ہو خواہ حیوان پہلوٹھی کے بچے ہوں ان کو میرے لئے مقدس ٹھہرا کیونکہ وہ میرے ہیں۔"

۷۔ پہلوٹھا ہونے کی فضیلت ایک ایسی فضیلت تھی جو کسی حالت میں باطل نہیں ہو سکتی تھی، یہاں تک کہ اگر پہلوٹھا بچہ ایسی بیوی سے ہو جس سے شوہر کو نہایت نفرت رہی ہو اور دوسرا بچہ محبوب بیوی سے ہو جب بھی فضیلت پہلوٹھے ہی کو حاصل رہتی تھی

کیونکہ وہ اس کی قدرت کی ابتدا ہے اور پہلوٹھی ہونے کا حق اسی کا ہے۔" لہ

(استثنا ۲۱: ۱۵-۱۷)

۹۔ جو خدا کی نذر کر دیا گیا۔ وراثت میں اس کا کوئی حصہ نہیں، اس کا حصہ خدا ہے۔ استثنا (۱۰: ۸-۹) میں ہے۔

"اسی موقع پر خداوند نے لاوی کے قبیلہ کو اس غرض سے الگ کیا کہ وہ خداوند کے عہد کے صندوق کو اٹھایا کرے اور خداوند کے حضور کھڑا ہو کر اس کی خدمت کو انجام دے اور اس کے نام سے برکت دیا کرے۔ جیسا آج تک ہوتا ہے اسی لئے لاوی کو کوئی حصہ یا میراث اس کے بھائیوں کے ساتھ نہیں ملی کیونکہ خداوند اس کی میراث ہے جیسا خود خداوند تیرے خدا نے اس سے کہا ہے۔"

دوسری جگہ اسی کتاب استثنا (۱۸: ۱-۳) میں ہے:-

"لاوی کاہنوں یعنی لاوی کے قبیلہ کا کوئی حصہ اور میراث اسرائیل کے ساتھ نہ ہو وہ خداوند کی آتشیں قربانیاں اور اسی کی میراث کھایا کریں۔ اس لئے ان کے بھائیوں کے ساتھ ان کو میراث نہ ملے خداوند ان کی میراث ہے جیسا اس نے خود ان سے کہا ہے۔"

لہ اگر کسی مرد کی دو بیویاں ہوں اور ایک محبوبہ اور دوسری غیر محبوبہ ہو اور محبوبہ اور غیر محبوبہ دونوں سے لڑکے ہوں اور پہلوٹھا بیٹا غیر محبوبہ سے ہو تو جب وہ اپنے بیٹوں کو اپنے مال کا وارث کرے تو وہ محبوبہ کے بیٹے کو غیر محبوبہ کے بیٹے پر جو فی الحقیقت پہلوٹھا ہے فوقیت دیکر پہلوٹھا نہ ٹھہرائے بلکہ وہ غیر محبوبہ کے بیٹے کو اپنے سب مال کا دونا حصہ دیکر اسے پہلوٹھا مانے کیونکہ وہ اسکی قوت کی ابتدا ہے اور پہلوٹھے کا حق اسی کا ہے۔

توریت میں اس کی نظیریں بہت ہیں۔ ہم نے صرف چند کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔

۱۳۔ نذر کے لئے ایک ضروری شرط یہ بھی تھی کہ اس کو سات مرتبہ مذبح کے سامنے پھیرا جائے اور اس کے سر پہ استرا نہ چلا ہو۔ صرف مذبح کے سامنے اس کا سر مونڈا جائے۔ دیکھو گنتی (۶:۔ ۵ ۔ ۹)

۱۴۔ جو خدا کی نذر یا معبد کا خادم بنایا جاتا اس کے لئے ایک مخصوص اصطلاح "خدا کے حضور" یا "خداوند کے آگے" کی قائم ہو گئی تھی جس کے معنی یہ تھے کہ یہ معبد کی یا خداوند کی خدمت میں ہے۔

پیدائش (۱۷:۔ ۱) میں ہے:۔

"جب ابرام ننانوے برس کا ہوا تب خداوند ابرام کو نظر آیا اور اس سے کہا میں خدائے قادر ہوں تو میرے حضور میں چل اور کامل ہو۔"

استثنا (۱۰:۔ ۸) میں ہے:۔

"اور خداوند کے حضور کھڑا ہو کر اس کی خدمت کو انجام دے اور اس کے نام سے برکت دیا کرے۔"

خروج (۲۸:۔ ۳۵) میں ہے:۔

"اس جبہ (سونے کی گھنٹیوں والا) کو ہارون خدمت کے وقت پہنا کرے تا کہ جب وہ پاک مقام کے اندر خداوند کے حضور جائے یا وہاں سے نکلے تو اسکی آواز سنی جائے۔"

نیز خروج (۲۹: ۱۱) میں ہے :-

"پھر اس بچھڑے کو خداوند کے آگے خیمۂ اجتماع کے دروازہ پر ذبح کرنا"

پھر اسی باب کی آیت ۴۲ میں ہے -

"ایسی ہی سوختنی قربانی تمہاری پشت در پشت خیمۂ اجتماع کے دروازہ پر خداوند کے آگے ہمیشہ ہوا کرے"

آیت ۲۳ میں ہے -

"اور بے خمیری روٹی کی ٹوکری میں سے جو خداوند کے آگے دھری ہو گی"

آیت ۲۶ میں ہے :-

"اور تو ہارون کے تخصیصی مینڈھے کا سینہ لیکر اس کو خداوند کے روبرو ہلانا"

کتاب احبار میں اس طرح کی عبارتیں بہت مل سکتی ہیں - اور علماء اہل کتاب نے "خداوند کے آگے" اور "خداوند کے حضور" کا یہی مفہوم لیا ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے -

ط - قربانی اسی مقام پر ہونی ضروری تھی، جس کو خداوند نے اس کے لئے منتخب فرمایا - دیکھو استثناء (۱۲: ۱۳ - ۱۴[1]) پیدائش (۲۲: ۱-۲[2])

---

[1] "اور تو خبردار رہنا تا ایسا نہ ہو کہ جس جگہ کو دیکھ لے وہیں اپنی سوختنی قربانی چڑھائے بلکہ اسی جگہ جسے خداوند تیرے کسی قبیلہ میں چن لے اپنی سوختنی قربانیاں گذراننا" [2] اور اس سے کہا اے ابرہام .... تو اپنے بیٹے کو لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا ...."

استثناء (۱۶:-۵-۷)[1]

ی ۔ یہود کی شریعت میں خاص خاص قربانیوں کے ذبح کے لئے خاص خاص سمتیں متعین تھیں ۔ دیکھو احبار (باب ۔۱) اور سب سے اعلیٰ قربانی "قدس الاقداس" کہلاتی تھی (دیکھو احبار (۶:-۱۷ و ۲۵) نیز (۷:-۱ و ۲) "قدس الاقداس" کے لئے یہ شرط تھی کہ وہ جنوب کی طرف متوجہ ہو کر کی جائے اور جو یہ قربانی کرنا چاہتے ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ شمالی دروازہ سے اندر داخل ہوں ۔ (خروج ۴۰:-۲۲-۲۹) میں ہے ۔

"اور میز کو اس پردہ کے باہر مسکن کی شمالی سمت میں خیمۂ اجتماع کے اندر رکھا ۔ اور اس پر خداوند کے حضور روٹی سجا کر رکھی جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم کیا تھا ۔ اور خیمۂ اجتماع کے اندر ہی میز کے سامنے مسکن کی جنوبی سمت میں شمعدان کو رکھا ۔ اور چراغ خداوند کے روبرو روشن کر دیئے جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم کیا تھا ۔ اور زریں قربان گاہ کو خیمۂ اجتماع کے اندر پردہ کے سامنے رکھا ۔ اور اس پر خوشبودار مصالحہ کا بخور جلایا جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم کیا تھا اور اس نے مسکن کے دروازہ پر پردہ لگایا ۔ اور خیمۂ اجتماع کے مسکن کے دروازہ پر سوختنی قربانی کا مذبح رکھ کر اس پر سوختنی قربانی اور نذر کی قربانی چڑھائی جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم کیا تھا ۔"

---

[1] "بلکہ جس جگہ کو خداوند تیرا خدا اپنے مسکن کے لئے چنے گا وہاں تو فسح کی قربانی کو اس وقت جب تو مصر سے نکلا تھا یعنی شام کو سورج ڈوبتے وقت گذرانا ۔"

ایک مسیحی عالم نے ہیکل پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام (The Temple) ہے۔ اس میں اس نے جہاں یہودیوں کے تمام مذہبی مراسم بتفصیل بیان کئے ہیں وہاں اس امر کا بھی ذکر کیا ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے اور نیچے حاشیہ میں مسکن کا دروازہ شمال میں ہونے کے بارہ میں لکھا ہے کہ "ہم اس کی کوئی خاص وجہ نہیں بیان کر سکتے، ممکن ہے یہ وجہ ہو کہ شمال ٹھنڈا اور تاریکی کی سمت ہے یا یہ وجہ ہو کہ تیہ کے زمانہ سفر میں ان کے معبد کا رخ فلسطین کی طرف تھا" غرض یہ ثابت ہے کہ مسکن کا دروازہ شمال میں تھا اور اس کا قبلہ اور شمعدان کی جگہ جنوب میں۔

یہود کے صحیفوں پر غور کرنے کیلئے چند بنیادی اصول

۳۔ یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہو چکی ہے کہ یہود نے اپنے صحیفوں میں بہت کچھ تبدیلیاں کر دی ہیں۔ بہت سے الفاظ ان کی جگہ سے ہٹا دیئے ہیں۔ اور اسی طرح بہت سے الفاظ بڑھا بھی دیئے ہیں۔ پس جس طرح ایک جج کے لئے جھوٹی شہادتوں کے طومار میں سے اصل واقعہ کو دریافت کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح ان صحیفوں سے بھی اصلی حقائق کو معلوم کرنا نہایت دشوار ہے۔ علماء کو ان کے سمجھنے میں بڑی حیرانیاں پیش آئی ہیں اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کا علمائے اہل کتاب نے بھی اعتراف کیا ہے اور اپنی کتابوں میں اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

کرنا چاہیئے جو بظاہر ان کی تحریف سے محفوظ نظر آتی ہیں۔

ج :- ہر ٹھیک بات کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنے اردگرد حقائق کا ایک حصار رکھتی ہے، جھوٹ کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔ پس آیات و روایات کی تطبیق اور واقعہ کے اجزاء و متعلقات کو جمع کرکے آسانی سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ حق کیا ہے؟

د :- قوموں کے وہ حالات و معاملات جو اب سائنٹفک تحقیقات کی روشنی میں آگئے ہیں وہ بھی اس تحقیق کی راہ میں آدمی کی رہنمائی کرتے ہیں۔

یہ چند عقلی اصول ہیں جن کو یہود کے صحیفوں پر غور کرتے وقت سامنے رکھنا چاہیئے ان کے بغیر اس خارزار میں قدم رکھنا خطرہ سے خالی نہیں۔

واقعہ ذبح تورات کے بیان کے مطابق،

۴ - واقعۂ ذبح جس طرح یہود کے صحیفوں میں بیان ہوا ہے پہلے ہم اس کو اسی صورت میں پیش کریں گے اس کے بعد ان اصولوں کی روشنی میں جو اوپر گذر چکے ہیں اس پر تنقید کریں گے۔

کتاب پیدائش کا بائیسواں باب اسی واقعہ کے ذکر سے شروع ہوتا ہے لیکن اس باب کی حکایت سابق باب سے متصل ہے جس میں ابراہیمؑ کے اس مسکن کا ذکر ہے جہاں وہ آباد تھے اور جہاں سے بیٹے کو لیکر وہ قربانی کے لئے نکلے تھے۔ اس میں بیان

ہوا ہے کہ بیر سبع میں وہ پھرتے رہے پھر ان کے پاس اس دیار کا بادشاہ آیا اور ان سے اس نے ایک معاہدہ کیا۔ پھر وہ اپنے مستقر فلسطین کی طرف لوٹ گیا، واقعہ کے اخیر میں اشارۃً ان کے اس مسکن کا ذکر ہوا ہے جہاں سے نکل کر وہ قربانی کے مقام کی طرف گئے۔ ان امور کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے بعد، اب اصل واقعہ کو پڑھو جو کتاب پیدائش (باب ۲۲) میں بیان ہوا ہے۔

اُن باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابرہام کو آزمایا اور اس سے کہا اے ابرہام! اس نے کہا میں حاضر ہوں (۲) تب اس نے کہا اپنے بیٹے اضحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا (۳) تب ابرہام نے صبح سویرے اٹھ کر اپنے گدھے پر چار جامہ کسا اور اپنے ساتھ دو جوانوں اور اپنے بیٹے اضحاق کو لیا اور سوختنی قربانی کے لئے لکڑیاں چیریں اور اٹھ کر اس جگہ کو جو خدا نے اسے بتائی تھی روانہ ہوا (۴) تیسرے دن ابرہام نے نگاہ کی اور اس جگہ کو دور سے دیکھا (اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام قربانی تک آنے اور قربانی کرنے کا ذکر ہے یہاں تک کہ خدا نے ان کو پکارا) پھر اس نے کہا کہ تو اپنا ہاتھ لڑکے پر نہ چلا اور نہ اس سے کچھ کر کیونکہ میں اب جان گیا کہ تو خدا سے ڈرتا ہے اس لئے کہ تو نے اپنے بیٹے کو بھی جو

تیرا اکلوتا ہے مجھ سے دریغ نہ کیا (۱۳) اور ابرہام نے نگاہ کی اور اپنے
پیچھے ایک مینڈھا دیکھا جس کے سینگ جھاڑی میں اٹکے تھے۔ تب ابرہام
نے جاکر اس مینڈھے کو پکڑا اور اپنے بیٹے کے بدلے سوختنی قربانی کے طور
پر چڑھایا (۱۴) ابرہام نے اس مقام کا نام یہوواہ یری رکھا چنانچہ آج تک
یہ کہاوت ہے کہ خداوند کے پہاڑ پر مہیا کیا جائے گا (۱۵) اور خداوند کے فرشتہ
نے آسمان سے دوبارہ ابرہام کو پکارا اور کہا کہ (۱۶) خداوند فرماتا ہے چونکہ تو نے
یہ کام کیا کہ اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے دریغ نہ رکھا اس لئے میں نے بھی
اپنی ذات کی قسم کھائی کہ (۱۷) میں تجھے برکت پر برکت دوں گا اور تیری
نسل کو بڑھاتے بڑھاتے آسمان کے تاروں اور سمندر کے کنارے کی ریت
کے مانند کر دوں گا اور تیری اولاد اپنے دشمنوں کے پھاٹک کی مالک ہوگی
(۱۸) اور تیری نسل کے وسیلہ سے زمین کی سب قومیں برکت پائیں گی،
کیونکہ تو نے میری بات مانی (۱۹) تب ابرہام اپنے جوانوں کے پاس لوٹ
گیا اور وہ اٹھے اور اکٹھے بیرسبع کو گئے اور ابرہام بیرسبع میں رہا ؟"

اس کے بعد کی عبارت ہے "ان باتوں کے بعد یوں ہوا" لیکن اس میں واقعۂ ذبح سے متعلق کوئی بات نہیں ہے اس لئے ہم نے اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔ البتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس ہجرت کے متعلق دو اور روایتیں ہیں جو ہم آگے بیان کریں گے۔ اس فصل میں صرف یہ پیشِ نظر ہے کہ واقعہ کا منصوص حصّہ اور وہ امور بیان کر دئے جائیں

جن سے واقعہ کی اصل حقیقت پر بحث ہو سکتی ہے۔ پس مندرجۂ ذیل امور کو خاص طور پر سامنے رکھو۔

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربانی سے پہلے اور قربانی کے بعد بیر سبع کو اپنا مسکن بنایا۔

۲۔ سرزمین مریا بیر سبع سے تین دن کی مسافت پر ہے۔

۳۔ مریا ہی وہ مقام ہے جہاں انھوں نے قربانی کی۔

۴۔ یہ مقام دور سے نظر آتا تھا۔

۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی کی۔

۶۔ یہ بیٹا ان کو نہایت محبوب تھا۔

۷۔ مقام قربانی کے قریب جھاڑی تھی۔

۸۔ اکلوتے بیٹے کی قربانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو برکت دی۔

۹۔ اور ان کی اولاد کے وسیلے سے زمین کی تمام قوموں کو برکت دینے کا وعدہ فرمایا۔

۱۰۔ ان کی نسل اپنے دشمنوں کے پھاٹک کی مالک ہوگی۔

چونکہ تحریف کرنے والوں کو یہ گمان نہ تھا کہ ان امور کی مدد سے واقعہ کی اصل حقیقت بے نقاب ہو کے رہے گی، اس واسطے انھوں نے ان کو ہاتھ نہیں لگایا اور اللہ تعالےٰ

کی مہربانی سے بچ رہے۔ للہ الحمد۔

عام پڑھنے والوں کو صرف ایک بات یہاں کھٹکے گی کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کا نام تصریح کے ساتھ آگیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات ذرا بھی قابل اعتماد نہیں ہے ان کا نام یہود نے محض اس وجہ سے ڈالدیا ہے کہ یہ بات ان کی خواہشوں کے بالکل مطابق تھی۔ اس کے دلائل بے شمار ہیں جن میں سے بعض مذکورہ بالا بیان سے مستنبط ہیں اور بعض ان کے صحیفوں کے دوسرے مقامات سے ماخوذ ہیں اور اب ہم ان تمام دلائل کی تفصیل کرتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

پہلی دلیل

حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ کا مسکن

۵۔ یہ واضح ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کی قربانی کے لئے نکلے ہیں ان کے ساتھ حضرت اسحٰقؑ نہ تھے صرف حضرت اسمٰعیلؑ تھے۔ وہی ان کے ساتھ رہتے تھے۔ جن لوگوں نے حضرت اسحٰقؑ کا نام یہاں ڈالدیا ہے وہ اس معاملہ کو نہ سمجھ سکے اور یہ چیز خود اس بات پر دلیل ہے کہ حضرت اسحٰقؑ کا نام اس موقع پر بعد کا اضافہ ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ واقعہ سے صاف واضح ہے کہ حضرت ابراہیمؑ بیٹے

کی قربانی کے بعد بیرسبع میں واپس آئے اور وہیں قیام کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیرسبع ان کا پہلے سے مسکن تھا۔ چنانچہ سابق باب میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اور واقعہ کی اصل حقیقت بھی یہی ہے۔ بیرسبع ہی وہ مقام ہے جہاں حضرت اسمٰعیلؑ اپنی والدہ کے ساتھ رہے۔ تورات میں جہاں حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ کو حضرت اسحٰقؑ اور ان کی والدہ سے علیحدہ کرنے کا واقعہ بیان ہوا ہے وہاں اس امر کی نہایت واضح تصریح موجود ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس واقعہ میں بہت کچھ جھوٹ کی آمیزش کر دی گئی ہے۔ اور چونکہ یہ جھوٹ تورات کی تصریحات کے بالکل خلاف تھا اس لئے علمائے یہود نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔ لیکن بایں ہمہ اس واقعہ میں گوناگوں تحریفات کے باوجود بھی حق کے واضح نشانات موجود ہیں۔ پس ہم اس جھوٹ کو نظر انداز کر کے ان کے اصلی اعترافات کو پکڑتے ہیں۔

کتاب پیدائش (۲۱: ۱۴-۱۷) میں ہے :-

"تب ابرہام نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور اسے ہاجرہ کو دیا بلکہ اسے اس کے کندھے پر دھر دیا اور لڑکے کو بھی اس کے حوالے کر کے رخصت کر دیا۔ سو وہ چلی گئی اور بیرسبع کے بیابان میں آوارہ پھرنے لگی۔" (اس کے بعد پانی کے چک جانے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ملنے اور دوبارہ پانی حاصل ہونے کا ذکر ہے اور پھر یہ عبارت ہے) "اور خدا

لہ پیدائش (باب ۲۱)

اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا۔"

اس عبارت میں 'بیابان' اور 'بیر سبع کا بیابان' کے الفاظ آئے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ بیر سبع کوئی آباد مقام نہ تھا۔ ایک بیابان تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس میں سات کنوئیں کھودے اور درخت لگائے تھے۔ اس وجہ سے ابتدا میں اس کو بیر سبع کا بیابان کہنے لگے۔ یہ نام رکھنے کا ایک عام اسلوب ہے جو ہر زبان میں موجود ہے۔ 'مدینہ مصر' اور 'جنات الفردوس' ہم عام طور پر بولتے ہیں۔ پس یہ دھوکا نہ ہونا چاہئے کہ بیابان 'بیر سبع' اس بیر سبع کے علاوہ کوئی مقام ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام رہا کرتے تھے۔ اس واقعہ میں اس کے علاوہ جو جھوٹ ملا دیئے گئے ہیں یہاں ان سے تعرض کی ضرورت نہیں۔ یہاں ہم صرف مندرجہ ذیل نتائج تک پہونچنا چاہتے ہیں اور ان تک پہنچنے کے لئے راہ صاف ہو گئی ہے۔

١۔ بیر سبع حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی ماں کا مسکن تھا۔

٢۔ یہ مقام حضرت اسحٰقؑ اور ان کی والدہ کے مسکن سے دور تھا۔

٣۔ یہی حضرت ابراہیمؑ کا بھی مسکن ہوا اور یہیں سے قربانی کے لئے نکلے۔ اور پھر قربانی کے بعد وہیں واپس آئے۔

٤۔ حضرت سارہ کا مسکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مسکن سے دور تھا۔ اس کی ایک نہایت واضح دلیل یہ بھی ہے کہ جس وقت حضرت سارہ بیمار ہوئیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے پاس موجود نہ تھے یہاں تک کہ جب انھوں نے ان کی موت کی خبر

سنی تو ان کو وہاں سفر کرکے جانا پڑا۔ کتاب پیدائش (۲۳: ۲-۲) میں ہے:۔

"اور سارہ نے قریت اربع میں وفات پائی یہ کنعان میں ہے اور حبرون بھی کہلاتا ہے اور ابرہام سارہ کے لئے ماتم کرنے اور نوحہ کرنے وہاں گیا۔"

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت ابراہیمؑ جس صبح کو بیٹے کی قربانی کے لئے نکلے انھوں نے حضرت اسمعیلؑ کو ساتھ لیا جو بیر سبع میں ان کے ساتھ موجود تھے نہ کہ اس بیٹے کو جو ان سے بہت دور حضرت سارہ کے ساتھ کنعان میں تھا۔ یہ بات ہم یہ فرض کرکے کہتے ہیں کہ حضرت اسحٰقؑ اس وقت پیدا ہو چکے تھے۔ جیسا کہ علمائے یہود دعویٰ کرتے ہیں۔ ورنہ اصل واقعہ یہ ہے کہ اس وقت تک حضرت اسحٰقؑ پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ ان کی ولادت تو واقعہ ذبح کے بعد ہوئی ہے تفصیلات گیارھویں فصل میں آئیں گی۔

اس واقعہ میں یہ بات خود نمایاں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جس بیٹے کو قربان کیا اس کو قربان گاہ کے پاس ہی چھوڑ دیا۔ نیز یہ بات ان کے اس قول سے بھی واضح ہوتی ہے جو انھوں نے حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کی بشارت سنکر انھوں نے فرمایا "کاش اسمعیل تیرے حضور زندہ رہے"[1] یعنی تیرے گھر کی خدمت میں مشغول رہے۔ اس کی تفصیل فصل ثانی کے حرف "ح" میں گذر چکی ہے۔ اس بات کی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے فرمایا:۔

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي	پروردگار! میں نے اپنی اولاد میں
بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ	سے ایک بن کھیتی کی زمین میں تیرے

---

[1] پیدائش ۱۷-۱۸۔

بِبَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا   محترم گھر کے پاس بسایا ہے پروردگار!
لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ   تاکہ وہ نماز قائم کریں۔

یہ بیت اللہ کے جوار میں بسنے والے کون ہیں؟ یقیناً حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام۔ کیونکہ باتفاق فریقین یہ بات معلوم ہے کہ حضرت اسحٰقؑ اپنی والدہ کے ساتھ برابر کنعان ہی میں رہے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے خود اپنے لئے ایک تیسری جگہ منتخب فرمائی جو حضرت اسحٰقؑ کے مستقر اور حضرت اسمٰعیلؑ کے مسکن کے بیچ میں تھی تاکہ وقتاً فوقتاً اپنے دونوں بیٹوں کو بھی دیکھ سکیں اور بیت اللہ سے بھی قریب رہیں، چنانچہ ان کی وفات کے وقت ان کے دونوں بیٹے ان کے پاس موجود تھے۔ کتاب پیدائش (۲۵: ۹) میں ہے۔

اور اس کو اس کے دونوں بیٹوں اسحاق اور اسمٰعیلؑ نے دفن کیا!

اسی طرح مقام ذبح سے بھی ہم اپنے دعویٰ پر استدلال کریں گے اور اس کی تفصیل آٹھویں فصل میں آئے گی۔

دوسری دلیل

حضرت اسمٰعیلؑ ہی اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے تھے

۶۔ واقعۂ ذبح کی تفصیلات میں پڑھ چکے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو اکلوتا

بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا تھا اور اس میں ذرا شبہہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اکلوتے حضرت اسمٰعیلؑ ہیں کیونکہ وہ حضرت اسحٰقؑ سے ۱۴ برس بڑے ہیں۔ پیدائش (۱۶: ۱۶) میں ہے

"اور جب ابرام سے ہاجرہ کے اسمٰعیل پیدا ہوا تب ابرام چھیاسی برس کا تھا"

پھر پیدائش (۲۱: ۵) میں ہے۔

"اور جب اس کا بیٹا اضحاق اس سے پیدا ہوا تو ابرہام سو برس کا تھا"

اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔

الف:۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے اکلوتے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ تھے یہاں تک کہ حضرت اسحٰقؑ پیدا ہوئے۔

ب:۔ اس اکلوتے بیٹے کی قربانی انھوں نے حضرت اسحٰقؑ کی ولادت سے پہلے کی کیونکہ دوسرے بھائی کے پیدا ہو جانے کے بعد وہ اکلوتے نہیں رہے۔

یہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ پر اس امر کی مستقل دلیل ہیں کہ ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہیں۔ یہ امر اس قدر واضح ہے کہ کوئی شخص اس سے اختلاف کی جرأت نہیں کر سکتا۔ مگر علماء اہل کتاب نے خواہ مخواہ کو اس کے جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ صرف حضرت اسحٰقؑ ہی رہ گئے تھے، حضرت اسمٰعیلؑ بہت دور بھیج دیئے گئے تھے اس لئے اکلوتے حضرت اسحاقؑ ہی بن گئے۔ گویا ان کے سوا حضرت ابراہیمؑ کے کوئی اولاد تھی ہی نہیں۔ حالانکہ اس جواب میں چند در چند استقام ہیں۔

الف :۔ اوپر پڑھ چکے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دور در حقیقت حضرت اسحٰق تھے نہ کہ حضرت اسمٰعیلؑ۔ حضرت اسمٰعیلؑ تو ہر بات میں اپنے ماں باپ کے ساتھ ہی تھے۔

ب :۔ حضرت اسحٰقؑ پر اکلوتے بیٹے کا اطلاق محض اس بنا پر ہرگز نہیں ہو سکتا کہ یہود کے خیال کے مطابق) ان کے بڑے بھائی ان سے اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے دور تھے، کسی شخص کا اکلوتا بیٹا وہی ہو سکتا ہے جس کے ساتھ کوئی اور بیٹا اس کی محبت میں شریک نہ ہو۔ یہ ایک ایسی واضح بات ہے جس میں ذرا بھی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔

ج :۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے ان لوگوں کی منطق تسلیم بھی کر لی جائے جب بھی "اکلوتے" کے لقب کے اصلی مستحق حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام ہی ٹھہرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے باپ کے مسکن سے ان لوگوں کے بیان کے مطابق دور وطن تنہا تھے۔

پھر یہاں ایک اور لطف کی بات بھی ہے۔ وہ یہ کہ ان لوگوں نے "ابنک وحید ک" "تیرا اکلوتا بیٹا" بکرک "تیرا پہلوٹھا بیٹا" کو تحریف کرکے بنایا ہے۔ یہ تحریف یقیناً کسی فائدہ کے خیال سے کی گئی ہوگی لیکن اس سے وہ اور زیادہ نقصان میں رہے کیونکہ اس طرح وہ ایک دلیل سے بھاگے تھے لیکن دو حجتیں ان کے گلے پڑ گئیں اور علاوہ ازیں ایک ایسی حقیقت ان کے سامنے آگئی جس کے ظہور کا ان کو وہم و گمان بھی نہ تھا یعنی اس سے یہ نتیجہ بھی نکلا کہ حضرت اسمٰعیلؑ حضرت اسحٰقؑ کی ولادت سے پہلے قربان کئے گئے ہوں۔ گیارھویں فصل میں اس کی مزید تفصیلات آئیں گی۔

تیسری دلیل

حضرت اسمٰعیلؑ اپنے باپ کے محبوب تھے

اوپر پڑھ چکے ہو کہ جس بیٹے کو قربان کرنے کا حکم ہوا تھا اس کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ "جو تجھے محبوب ہے"۔ اس سے بھی واضح ہے کہ اس سے مراد حضرت اسمٰعیلؑ ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ یہود کے صحیفوں میں ایسے دلائل موجود ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسمٰعیلؑ سے بہت زیادہ محبت تھی اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

الف :۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیلؑ کی ولادت کے لئے دعا فرمائی تھی۔ کتاب پیدائش (۱۵:۲-۴) میں ہے :۔

"ابرام نے کہا، اے خداوند خدا تو مجھے کیا دے گا؟ کیونکہ میں تو بے اولاد جاتا ہوں اور میرے گھر کا مختار دمشقی الیعزر ہے۔ پھر ابرام نے کہا دیکھ تو نے مجھے کوئی اولاد نہیں دی اور دیکھ میرا خانہ زاد میرا وارث ہوگا تب خداوند کا کلام اس پر نازل ہوا اور اس نے فرمایا یہ تیرا وارث

نہ ہوگا بلکہ وہ جو تیرے صلب سے پیدا ہوگا وہی تیرا وارث ہوگا۔"

جب اللہ تعالیٰ نے یہ محبوب اولاد ان کو بخشی تو اس کا نام انھوں نے اسمٰعیل رکھا جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا سنی۔ کتاب پیدائش (۱۶: ۱۵) میں ہے:۔

"اور ابرام سے ہاجرہ کے ایک بیٹا پیدا ہوا اور ابرام نے اپنے اس بیٹے کا نام جو ہاجرہ سے پیدا ہوا اسمٰعیل رکھا۔"

ذرا تصور کیجئے کہ ایک صابر اور صاحب سوز و گداز انسان ہے جو بڑھاپے کی آخری منزل تک پہنچ چکا ہے۔ لیکن اولاد کی نعمت سے محروم ہے۔ اس محرومی سے اس کا دل تنگ ہو رہا ہے اور وہ اپنے پروردگار سے اولاد کے لیے پرسوز دعا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرما کر اولاد کی نعمت سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے۔ اس قبول دعا پر اس کے دل کا ریشہ ریشہ شکر کے جذبہ سے معمور ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کا نام ہی "مقبول دعا" رکھ دیتا ہے۔ پھر تیرہ ۱۳ برس تک ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی پرمحبت آغوش سے اس کو الگ نہیں کرتا۔ اکلوتا بیٹا ہے، دعائے سحر ہے، بڑھاپے کا چشم و چراغ ہے، اور صورت حال ایسی ہے کہ آئندہ اولاد کی کوئی امید نہیں، ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیجئے کہ ایسے بیٹے کے ساتھ ایسے باپ کی محبت کا کیا عالم ہوگا۔؟

ب:۔ جس وقت حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کی بشارت ملی ہے اس وقت بھی انھوں نے ایک ایسی بات فرمائی جس سے حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ ان کی بے پایاں محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس نعمت گرانمایہ کو پا کر

دنیا کی تمام خواہشوں سے بالکل بے نیاز ہو گئے تھے۔ کتاب پیدائش (۱۷:۱۸) میں ہے۔

"اور ابرہام نے خدا سے کہا کہ کاش اسمٰعیل ہی تیرے حضور جیتا رہے"!

یہ فقرہ وہ اس وقت فرماتے ہیں جب ان کو ایک دوسرے بیٹے کی ولادت کی بشارت مل رہی ہے۔ اور پھر غور کیجئے اس کی زندگی اور اس کے بقا کے لئے وسیلہ کیسا ڈھونڈتے ہیں؟ "تیرے حضور جیتا رہے"! اس فقرہ میں محبت کا جو جذبہ چھپا ہوا ہے اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ جوش محبت کی بے تابیوں کا یہ عالم ہے کہ اس کو چھپانے پر کسی طرح قادر نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ خدا کے حضور بھی اس کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ بھی جب اس بیٹے کا ذکر فرماتا ہے تو ان کے اس تعلق قلب کی طرف اشارہ فرماتا ہے

"وہ بیٹا جس سے تجھکو محبت ہے"!

ج:۔ حضرت سارہ نے جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے یہ خواہش کی کہ حضرت اسمٰعیلؑ حضرت اسحٰقؑ کے ساتھ وراثت میں حصّہ نہ پائیں گے اور یہ کہ ان کو اور ان کی ماں کو گھر سے نکال دیا جائے۔ تو حضرت ابراہیمؑ سخت رنجیدہ ہوئے پیدائش (۲۱:۔۱۱) میں ہے:۔

"پر ابرہام کو اس کے بیٹے کے باعث یہ بات نہایت بری معلوم ہوئی"!

اس سے واضح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو حضرت اسمٰعیلؑ علیہ السّلام سے نہایت محبت تھی۔

چوتھی دلیل

حضرت ابراہیم کی قربانگاہ مروہ ہے جو کعبہ کے پاس ہے

۸ - واقعۂ ذبح کے سلسلہ میں توراۃ کا یہ بیان پڑھ چکے ہو کہ
تیسرے دن ابراہیم نے نگاہ اٹھائی اور قربانی کی جگہ کو دور سے دیکھا۔"
یہود کا خیال ہے کہ یہ یروشلم میں وہ جگہ ہے جہاں ہیکل سلیمان ہے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہ وہ مقام ہے جہاں مسیح علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی لیکن ان کے محققین کے نزدیک ان کا یہ دعویٰ بالکل بے اصل ہے۔ اس باب میں ان کے جو اختلافات ہیں ان کو ہم ان ہی کے ایک محقق عالم جے، ڈبلو، کولنزو د (J. W. Colenso) کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ اس نے اس مقام کے بارہ میں جس کا نام انھوں نے مریا بتایا ہے تمام اختلافات نقل کئے ہیں اور اخیر میں خود محاکمہ کرکے ان کی تمام تحریفات کا پردہ چاک کردیا ہے۔ اختلافات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

وہ مقام جہاں توریت میں یہ نام آیا ہو	نسخہ سبعینیہ کی روایت	نسخہ عبرانیہ کی روایت
پیدائش (۲۲:۲)	بلند زمین	ملک مورہ

وہ مقام جہاں توریت میں یہ نام آیا ہے	نسخہ سبعینیہ کی روایت	نسخہ عبرانیہ کی روایت
پیدائش (۱۲:۱-۶)	اونچے بلوط	میدان مورہ
تثنیہ (۱۱:۳۰)	اونچے بلوط کے قریب	میدان مورہ کے قریب
قضاۃ (۷:۱)	جبل مورہ کے پاس	جبل مورہ کے پاس

پھر ایک ہی نسخہ کی ایک ہی آیت کا ترجمہ مختلف مترجمین نے مختلف کیا ہے مثلاً نسخہ سبعینیہ میں پیدائش (۲۲:۲) میں "بلند زمین" ہے ..... اقیلا کے ترجمہ میں "نمایاں سرزمین" اور سماخوس نے ترجمہ میں "رویا کی سرزمین" ہے۔ جس طرح اس لفظ کے ترجمہ میں اختلاف ہے اسی طرح اس کو لکھتے بھی مختلف شکلوں میں ہیں۔ فصل کے آخر میں ہم اس کی تفصیل کریں گے۔ ان اختلافات کو بیان کرنے کے بعد کولنزو نے ان کی تحریف پر بحث کی ہے اور دو واضح دلیلوں سے دعویٰ کو باطل کر دیا ہے۔

۱۔ یہ نام ہیکل کی جگہ کے لئے کسی صحیفہ میں بھی نہیں آیا ہے۔ کولنزو کے الفاظ یہ ہیں۔ "یہ نام سلیمان کے بعد سے کسی کتاب میں نہیں پایا جاتا۔ جس پہاڑ پر ہیکل کی تعمیر ہوئی، انبیاء کے صحیفوں اور مزامیر وغیرہ میں اس کا نام صیہون لیا گیا ہے۔ ہیکل کی جگہ کے لئے مریا کا لفظ کہیں نہیں آیا ہے۔"

۲۔ اس مقام کی جو صفات بیان ہوئی ہیں وہ کسی طرح ہیکل کی جگہ کی خصوصیت پر منطبق نہیں ہوتیں۔ ہمارے نزدیک یہ دلیل نہایت قوی ہے۔ کولنزو نے لکھا ہے کہ تورات میں ایک مقام کو دور سے دیکھنے کا ذکر ہے جس کی طرف ابراہیم نے نگاہ اٹھائی

حالانکہ یہاں کوئی جگہ ایسی نہیں ملتی جس پر یہ بیان منطبق ہو سکے جس جگہ کو یہود قربانی کی جگہ قرار دیتے ہیں یعنی جبل ہیکل یا جبل موریاہ، قطع نظر اس سے کہ اس تسمیہ کے سوا ان کے دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں ہے، معاملہ کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ یہ اسی وقت نظر آتا ہے جب ایک شخص مشرقی جانب سے وادی ہنوم سے ہو کر وہاں پہونچے۔ اس وقت وہ ہیکل کو اوپر سے دیکھ سکے گا۔ اس کے بعد اس کی تائید میں اس نے محقق اسٹانلی کی مندرجۂ ذیل تحقیق نقل کی ہے:۔

"صبح کے وقت وہ (ابراہیم علیہ السلام) بیرسبع کے خیموں سے نکل کر روانہ ہوئے اور اس مقام کی طرف گئے جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو جانے کا حکم دیا تھا۔ یہود مدعی ہیں کہ یہ مقام یروشلم میں جبل موریاہ پر ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ یہ مقام قبر مقدس کے کنیسہ کے قریب ہے۔ لیکن یہ دعویٰ پہلے دعویٰ سے بھی زیادہ بے بنیاد ہے۔ مسلمان کہتے ہیں کہ یہ مقام مکہ میں جبل عرفات پر ہے ان کا دعویٰ سب سے زیادہ عجیب اور بے حقیقت ہے۔ سب سے لگتی ہوئی بات یہ ہے کہ اس مقام کو جبل جرزیم پر تلاش کیا جائے۔ وہ تسکلاً بھی قربان گاہ سے بہت ملتا جلتا ہوا ہے۔"

اس محقق نے مسلمانوں کی طرف جو دعویٰ منسوب کیا ہے کہ وہ اس مقام کو جبل عرفات پر بتاتے ہیں محض بے خبری پر مبنی ہے۔ جہاں تک میری معلومات ہیں کوئی مسلمان بھی جبل عرفات

کے قربان گاہ ہونے کا قائل نہیں ہے ۔ رہا جبل جرزیم تو یہودیوں ایک فرقہ سماریہ کے نام سے موسوم ہے، وہ اس کو قربان گاہ قرار دیتا ہے۔ ان کی تورات بھی اس تورات سے بالکل مختلف ہے ۔جس کو عام یہود مانتے ہیں۔یہی دوسرے یہودیوں کے مقابل میں ان کو اپنے سے زیادہ قریب سمجھتے ہیں ۔

ان اقوال کو نقل کرنے سے مقصود محض یہ دکھانا ہے کہ قربانی کی جگہ جو مورہ کے نام سے موسوم ہے، اس کی تعیین کے بارہ میں ان لوگوں میں سخت اختلاف ہے ۔ ایک گروہ نے تو سرے سے اس نام ہی کو غائب کر دیا ہے ۔ اور 'اونچے بلوط' یا 'نمایاں سرزمین' یا 'ارض رویا' سے اس کا ترجمہ کر دیا ہے ۔ ایک جماعت نے نام کو تو باقی رکھا ہے لیکن اس کے تلفظ میں طرح طرح کی تحریفات کر دی ہیں ۔ مثلاً مورہ، مریاہ، موریاہ اور یہ حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ کرنے کی ان کی وہی خصوصیت ہے جس کی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے :-

يَآ أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ	اے اہل کتاب کیوں حق کو باطل
بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ	کے ساتھ گڈمڈ کرتے ہو اور حق کو
وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۔ (آل عمران ۷۱)	چھپاتے ہو درآنحالیکہ تم جانتے ہو

اب ذیل میں ہم اس پر مفصل بحث کر کے بتانا چاہتے ہیں کہ اس مقام کا اصلی نام کیا ہے اور اس سے کون سی جگہ مراد ہے ؟ ۔

ا۔ اس میں ذرا شبہہ نہیں کہ اصلی لفظ 'مروہ' ہے (میم اصلی ہے اور 'ر' 'واو' پر

مقدم ہے) مردہ چمکنے اور چمکدار پتھر کو کہتے ہیں۔ کلام عرب میں یہ لفظ بہت آیا ہے۔

جن مترجمین نے اس کا ترجمہ "نمایاں"، "رؤیا" اور "جھنڈ" وغیرہ کیا ہے، ان کے ترجموں سے کم از کم اتنی بات تو ضرور ثابت ہوتی ہے کہ وہ اس لفظ کو مورہ وغیرہ نہیں پڑھتے تھے، جیسا کہ تحریف کرنے والوں نے اس کو بدلا ہے۔ کیونکہ مورہ کے اشتقاق کے بارہ میں یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی اصل یا تو (یرا) ہے یا (یرہ)۔ "یرا" کے معنی خوف اور تعجب کے ہیں۔ پس "مورہ" کے معنی خوف یا سبب خوف کے ہوں گے۔ "یرہ" کے معنی رمی (تیر اندازی) اور سقی (سیرابی) کے آتے ہیں۔ اور اس مادہ کے لحاظ سے مورہ کے معنی تیر انداز، اولین بارش اور استاد کے آتے ہیں۔ پس اگر یہ لفظ اصل میں مورہ ہوتا جیسا کہ یہ تحریف کرنے والے کہتے ہیں تو ابتدائی مترجمین اس کا ترجمہ "نمایاں"، "رؤیا" اور "جھنڈ" وغیرہ نہ کرتے۔ صاف واضح ہے کہ ان کو یہ لفظ "مردہ" کی صورت میں ملا تھا لیکن چونکہ اس کا مادہ ان کے لغت میں موجود نہ تھا اس لئے ان کو گمان ہوا کہ یہ "مراۃ" ہے۔ کیونکہ عبرانی میں واؤ، الف سے اکثر بدل جایا کرتا ہے۔ پس اس کو انھوں نے اپنی زبان کے قواعد کے مطابق (راٰہ) سے مشتق سمجھ لیا اور "راٰہ" کے معنی ان کی زبان میں رؤیت اور نظر وغیرہ کے آتے ہیں پس اس اشتقاق کے لحاظ سے انھوں نے اس کے معنی نظر، نمایاں اور رؤیا وغیرہ کے قرار دے لئے۔ الغرض یا تو ان کو یہ لفظ مردہ کی صورت میں ملا تھا یا مراۃ کی۔ دوسری تشکیلیں بعد کی گھڑی ہوئی ہیں۔

بعض مترجمین نے اس لفظ کا ترجمہ نہیں کیا ہے، بلکہ اس کی مختلف صورتوں کو

باقی رکھا ہے۔ اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ واؤ کو اصل مادہ کا جز قرار دیتے ہیں اور میم کو لفظ کے شروع میں اصلی میم کی حیثیت سے باقی رکھنے پر متفق ہیں اور اگر اصل لفظ اور اس کی مختلف متغیر شدہ صورتوں میں مقابلہ کیا جائے تو یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اصل لفظ صرف مروہ ہو سکتا ہے اس کے سوا کوئی دوسری شکل ممکن نہیں ہے

اختلاف کی وجہ زیادہ تر یہ ہوئی کہ اصل عبرانی میں حرکات کی علامتیں نہ تھیں۔ یہ متاخرین کی ایجاد ہے۔ پھر ان میں حفاظ بھی نہ تھے، جو صحیح قرأت کو محفوظ رکھتے۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے حرکت کو حرف کی اور حرف کو حرکت کی صورت میں بدل کر تحریف و تغیر کا ایک وسیع دروازہ کھولدیا۔

یہ لفظ بھی ابتداءً حرکات سے بالکل مجرد لیکن بیان قرأت کے ساتھ لکھا گیا ہوگا اور یہ معلوم ہے کہ تحریف کے شوق کی وجہ سے یہود قرأت میں مد و تشدید کے اضافہ کے معاملہ میں بہت بے باک تھے۔ تاکہ بعد میں آنے والوں کے لئے تبدیلی اور تحریف کے دروازے برابر کھلے رہیں۔

اب اس لفظ کی اصل صورت اور اس کی تبدیل شدہ صورتوں پر غور کرو

اصل لفظ	تبدیل شدہ صورتیں	لفظ کی مختلف قرأتیں
(۱) מרוה مروہ	מריה (مریہ)	مُرِیَّاہ
(۲)	מוריה (موریہ)	موریاہ
(۳)	מורה (مورہ)	(مُورہ)

اب ان تبدیلیوں پر غور کرنا چاہیے جو ان میں واقع ہوئی ہیں۔ پہلی صورت (مریہ) میں یہ ہوا کہ واؤ عبرانی میں اکثر ی سے بدل جاتا ہے۔ مثلاً גּוּל (جول) גִּיל (جیل) بمعنی جولان۔ نیز הַוָּה (خوہ) اور הַיָּה (خیہ) بمعنی آفت۔ اور یہ دراصل حائے حطی سے تھا لیکن چونکہ ان کے یہاں حائے حطی نہ تھی اس لئے ان لوگوں نے خ سے بدلدیا اور یہی وجہ ہے کہ اس لفظ کو وہ ہائے ہوز سے ہی لکھتے ہیں۔ جو مادے عربی اور عبرانی میں مشترک ہیں ان میں اکثر دیکھو گے کہ جہاں عربی میں واؤ ہے وہاں عبرانی میں ی ہو گئی ہے مثلاً ولد اور ید ول۔ بالخصوص الفاظ کے شروع میں تو یہ بات بہت عام ہے مثلاً ولد۔ یلد، ورد۔ ورق۔ یقرء، وعظ۔ یعظ اور یہ بات یا تو سہولت کی وجہ سے ہے یا اس مشابہت کی وجہ سے ہے جو عبرانی رسم الخط میں واؤ اور ی میں ہے اور جس کو تم اوپر دیکھ چکے ہو۔

دوسری صورت (موریہ) میں یہ تغیر ہوا کہ انھوں نے سمجھا میم پر ضمہ ہے، پھر اس کو انھوں نے ایک مستقل حرف قرار دیدیا۔ اور یہ بات عبرانی الفاظ میں بہت عام ہے مثلاً יְאֹר (یأر) اور יְאוֹר (یاور) نیل اور عام نہر کے معنی میں۔ نیز יֶתֶר (یتر) اور יוֹתֵר (یوتر) بمعنی زیادتی۔ اسی اصول پر انھوں نے مریہ کو موریہ کردیا۔

تیسری صورت (مورہ) میں واؤ کو سب پر مقدم کردیا ہے۔ اور اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں۔ یا تو اس عام طریقۂ قلب و تغیر کی وجہ سے جس کے دو عربی الفاظ کے باب میں عادی ہیں مثلاً جرد سے جور۔ خفی سے یخف۔ علو سے لیعل۔ کہل سے کل۔

پس اسی طریقہ پر مروہ کو الٹ کر مورہ کر دیا۔ یا اس تشابہ کی وجہ سے جو دونوں حرفوں
ح اور ر یعنی واوُ اور ساؔ میں ہے تصحیف ہو گئی ہو۔ اور اس طرح پر مَروہ "موراہ"
بن گیا ہو۔

ہمارے نزدیک یہ دوسری وجہ مستبعد نہیں ہے۔ جو شخص بالارادہ یا بے ارادہ تحریف کرنا چاہے اس کے لئے اس طرح کا اشتباہ نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اس قسم کے اشتباہ کی مثالیں ان کی زبان میں بہت ملتی ہیں۔ مثلاً لفظ برص کو ان لوگوں نے بوص کر دیا اور اس کی وجہ محض یہ ہے کہ واؤ اور ساؔ کی کتابت ان کی زبان میں بالکل ملتی جلتی ہوئی ہے۔

۲۔ اب صرف اس سوال پر غور کرنا باقی رہ گیا کہ اس سے مراد کون سا مقام ہے؟ فصل کے آغاز میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ عام یہود اس سے وہ مقام مراد لیتے ہیں جہاں ہیکل سلیمانی واقع ہے۔ اور نصاریٰ مدعی ہیں کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں قبر مقدس کا کنیسہ ہے لیکن ان کے علمار اور محققین نے خود ان دعاوی کی لغویت واضح کر دی ہے۔ اس لئے ہم کو ان کی تردید میں وقت صرف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ رہ گیا اسٹانلی کا قول کہ یہ مقام کوہ جریزیم پر ہے تو اس کی حیثیت محض ایک قیاس کی ہے۔ چونکہ اس پہاڑ کی شکل ایک بلند تخت کے مانند ہے اس لئے اسٹانلی کو وہ قربان گاہ کے لئے نہایت موزوں معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ محض اتنی بات اس بحث کو طے کرنے کے لئے بالکل ناکافی ہے۔ اس لئے اس کا قول ناقابل توجہ ہے۔ نصاریٰ اور یہود میں سے ایک

شخص بھی استثنائی کا ہم خیال نہیں ہے۔

ہمارے نزدیک یہ وہی مقام ہے جو بنی اسمٰعیل کے مسکن میں پایا جاتا ہے اور ابتداء سے مروہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور یہود کے صحیفوں سے بھی ہمارے اس دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔ قضاۃ (۷:۱) میں ہے:۔

"اور مدیانیوں کی لشکر گاہ ان کے شمال کی طرف کوہ مورہ کے متصل وادی میں تھی"

اس سے معلوم ہوا کہ مورہ کی پہاڑی مدیانیوں کی لشکر گاہ تھی۔ اور یہ پوری قطعیت کے ساتھ معلوم ہے کہ "مدیانیوں" سے مراد عرب ہیں۔ مدیان کا لفظ عربوں اور ان کی سرزمین کے لئے نہایت معروف ہے۔

صحف یہود میں اس کی تصریح ملتی ہے کہ مدیان سے مراد اسمٰعیلی ہیں۔ مشہور انگریز مترجم قرآن سیل لکھتا ہے۔

"مدیان حجاز کے شہروں میں تھا۔ یہ سینا کے جنوب مشرق میں بحر قلزم پر واقع تھا۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ یہ وہی مقام ہے جس کو بطلیموس نے مودیانہ کے نام سے ذکر کیا ہے"

قضاۃ (۸:۱-۲۲-۲۴) میں ہے۔

"تب بنی اسرائیل نے جدعون سے کہا کہ تو ہم پر حکومت کر۔ تو اور تیرا بیٹا اور تیرا پوتا بھی۔ کیونکہ تو نے ہم کو مدیانیوں کے ہاتھ سے چھڑایا۔ تب

جدعون نے ان سے کہا کہ نہ میں تم پر حکومت کروں اور نہ میرا بیٹا۔ بلکہ خداوند
ہی تم پر حکومت کرے گا۔ اور جدعون نے ان سے کہا کہ میں تم سے یہ عرض
کرتا ہوں کہ تم میں سے ہر شخص اپنی لوٹ کی بالیاں مجھے دیدے (یہ لوگ
اسمٰعیلی تھے اس لئے ان کے پاس سونے کی بالیاں تھیں)"

پیدائش (۳۷: ۲۵۔) میں ہے :۔

اور وہ کھانا کھانے بیٹھے اور آنکھ اٹھائی تو دیکھا کہ اسمٰعیلیوں کا ایک قافلہ
جلعاد سے آرہا ہے اور گرم مصالحہ اور روغن بلسان اور مر اونٹوں پر
لادے ہوئے مصر کو لئے جا رہا ہے۔ تب یہوداہ نے اپنے بھائیوں سے کہا
کہ اگر ہم اپنے بھائی کو مار ڈالیں اور اس کا خون چھپائیں تو کیا نفع ہوگا۔
آؤ اسے (یوسفؑ کو) اسمٰعیلیوں کے ہاتھ بیچ ڈالیں کہ ہمارا ہاتھ اس پر نہ اٹھے
کیونکہ وہ ہمارا بھائی اور ہمارا خون ہے۔ اس کے بھائیوں نے اس کی بات
مان لی۔ پھر وہ مدیانی سوداگر ادھر سے گذرے تب انھوں نے یوسف
کو کھینچکر گڑھے سے باہر نکالا۔ اور اسے اسمٰعیلیوں کے ہاتھ بیس روپے کو
بیچ ڈالا اور وہ یوسف کو مصر لے گئے"

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مروہ مدیان کے مسکن میں واقع ہے۔ اور مدیان بنی اسمٰعیل کو
کہتے ہیں۔ اور ارض مدیان حجاز میں بحر قلزم کے ساحل پر ہے۔

اوپر گذر چکا ہے کہ مورہ درحقیقت مروہ کی تحریف ہے اور محققین توریت اعتراف

کرتے ہیں کہ شام میں جہاں بنی اسرائیل آباد تھے اس نام کا کوئی مقام نہیں ہے۔ یہود نے خود یہ نام اپنے صحیفوں میں داخل کیا، اور پھر خود ہی اس کا ایک فرضی مسمیٰ ٹھہرایا جس کو تسلیم کرنے سے خود ان کے محققین نے صاف انکار کر دیا اور علاوہ ازیں خود ان کے صحیفوں کے بیانات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ مروہ حجاز میں ہے جہاں بنی اسمٰعیل آباد تھے۔

ان واضح دلائل کے بعد ان کے اس دعویٰ کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے کہ مروہ جبل یروشلم پر ہے؟ البتہ اس امر میں ذرا بھی شبہہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ یہ بنی اسمٰعیل کے مسکن میں واقع ہے۔ اور ان کے مشہور مقامات میں سے ہے جس کو وہ اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے اور حج میں اس کا طواف کرتے تھے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جہاں قرآن نے اس مقام کے طواف کا حکم دیا ہے وہاں اس کی تعریف کی ضرورت نہیں سمجھی صرف یہ فرمایا کہ یہ اللہ کے شعائر میں سے ہے۔ اور ساتھ ہی اس امر کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اہل کتاب نے اس میں تحریف کر دی تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پوری وضاحت کے باوجود انھوں نے اپنی طرف سے اس کو چھپانے کی کوشش کی۔ قرآن مجید کے ان بیانات کی تفصیل باب دوم میں آئے گی۔

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مروہ کے پاس قربانی کے جانوروں کو کھڑے دیکھا تو مروہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ھٰذا المنحر وکل فجاج مکۃ منحر، وطرقہا منحرۃ "یعنی یہ اصل قربان گاہ ہے اور مکہ کے تمام راستے قربانی

کی جگہ ہیں"۔ ایک مرتبہ منیٰ کی بابت ارشاد فرمایا کہ "ھو منحر" یعنی یہ "قربانی کی ایک جگہ ہے"۔ حضورؐ کے الفاظ پر غور کرو۔ آپ مروہ کی نسبت "المنحر" کا لفظ فرماتے ہیں۔ یعنی "اصل قربانگاہ" اور دوسرے مقامات کی بابت تنکیر کے ساتھ صرف "منحر" کا لفظ استعمال فرماتے ہیں یعنی یہ بھی قربانی کی جگہیں ہیں۔ ہمارے دعویٰ پر قرآن مجید کے ایک اور پہلو سے بھی روشنی پڑتی ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قربانی کے جانوروں کے باب میں حکم دیا ہے کہ ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ (پھر ان کو قدیم گھر کی طرف لے جانا ہے) نیز فرمایا هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ یعنی قربانی کے جانوروں کو کعبہ کے پاس پہونچانا چاہئے کیونکہ ان کے ذبح ہونے کی جگہ اسی بیت قدیم کے پہلو میں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لئے سب سے پہلے بنایا۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر اس کی تصریح کر دی (آلعمران آیۃ ۹۶)

مروہ خانہ کعبہ کے پہلو میں واقع ہے اور وہی پہلی قربان گاہ ہے۔ لیکن بعد میں جب امت کا دائرہ وسیع ہوا تو قربانگاہ کے دائرہ میں بھی وسعت کر دی گئی۔ اہل کتاب میں اور ہم میں یہ امر متفق علیہ ہے کہ ابراہیمی قربان گاہ بیت اللہ کے پاس ہے جیسا کہ پیدائش (۱۲:۶-۹) میں ہے۔

یہ حالات و واقعات جو قصہ ذبح میں بیان ہوئے ہیں مروہ ہی پر منطبق ہوتے ہیں۔ نہ کہ ہیکل والے پہاڑ پر جس کا نام وہ محض کتمان حق اور بحث وجدال کی خاطر مُوریاہ، مورہ اور مُریّا بتاتے ہیں، اور اس کا اعتراف خود ان کو بھی ہے۔ ان حالات کے تطابق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرق کی جانب

سے آئے، اپنے دونوں غلاموں کو پاس کے ایک پہاڑ پر چھوڑ دیا اور اپنے اکلوتے بیٹے اسمٰعیل کو لے کر لبیک کہتے ہوئے مستعدی کے ساتھ مروہ کی طرف گئے۔ واقعہ ذبح کی ایک دوسری روایت بیان کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا مروہ کی طرف سفر بھی بیان ہوا ہے لیکن اس میں صرف سفر ہی کا واقعہ بیان ہوا ہے، ذبح کا واقعہ حذف کر دیا گیا ہے۔ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا مسکن صفا کی جانب تھا۔ (سفر تکوین ۱۳: ۱-۱۸)

یہ گوناگوں اسباب ہیں جن کی وجہ سے ابراہیم علیہ السّلام کے عہد سے لیکر آج تک صفا اور مروہ کے متعلق بعض روایات اور مناسک بنی اسمٰعیل میں قائم ہیں لیکن یہود و نصارٰی کے یہاں ہم ان مناسک کا کوئی نشان نہیں پاتے۔ اس امر کی مزید تفصیل ہم انشاءاللہ چودھویں فصل میں کریں گے۔

پانچویں دلیل

قربان ہونے کے اصلی حق دار حضرت اسمٰعیلؑ تھے

۹۔ توریت میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ اپنے باپ کے پہلوٹھے

بیٹے تھے اور حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک خداوندی شریعت کا یہ مسلم حکم رہا ہے کہ قربانی صرف پہلوٹھے بچے ہی کی ہو سکتی ہے اور پہلوٹھے ہونے کی فضیلت ایسی فضیلت تھی جس کو کوئی چیز بھی باطل نہیں کر سکتی تھی۔ دلائل کی تفصیل (فصل ثانی د۔ ۷) میں گذر چکی ہے ایسی صورت میں یہ کیسے خیال کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلامؑ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں کامل بننے کا حکم دیا تھا، ایک ایسے معاملہ میں چوک جائیں جو ان کے روحانی عروج و کمال کا اعلیٰ زینہ ہے۔ اور شریعت کے قدیم ترین حکم سے اغماض کر کے اپنے پہلوٹھے بیٹے کو خدا سے دریغ رکھیں اور حضرت اسحٰقؑ کو قربان کریں جن کی ولادت کے لئے نہ صرف یہ کہ انھوں نے دعا نہیں کی بلکہ جس وقت ان کی ولادت کی بشارت ان کو ملی ہے وہ ایسا فقرہ فرماتے ہیں جس سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کو پا کر وہ ہر خواہش سے بے نیاز ہو چکے ہیں۔ کیا ایک لمحہ کے لئے بھی یہ بات باور کی جا سکتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا کی بارگاہ میں ایک ایسی چیز پیش کریں گے جس سے اعلیٰ اور زیادہ محبوب چیز ان کے پاس موجود ہے۔ درانحالیکہ ہر قربانی کرنے والے کی سب سے پہلی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اس کی قربانی خدا کی پسند اور اس کے حکم سے زیادہ سے زیادہ مطابق ہو؟

چھٹی دلیل

حضرت اسحٰقؑ کیلئے کثرت ذریت کی بشارت اس سے مانع ہے کہ وہ قربان ہوں

۱۰۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحٰقؑ کی نسل میں برکت کی خوش خبری اللہ تعالیٰ نے اسی وقت دی جس وقت ان کی ولادت کی خوشخبری سنائی۔ برعکس اس کے حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل میں برکت کی خوشخبری یا تو حضرت اسحٰقؑ کی بشارت کے بعد دی ہے یا زیادہ سے زیادہ اسی وقت۔ کتاب پیدائش (۱۷: ۱۵۔ ۲۰) میں ہے۔

"تب خداوند نے فرمایا کہ بے شک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے بیٹا ہوگا تو اس کا نام اضحاق رکھنا اور میں اس سے اور پھر اس کی اولاد سے اپنا عہد جو ابدی عہد ہے باندھوں گا۔ اور اسمٰعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا۔"

کیا یہ ممکن ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحٰقؑ کی ذریت کی کثرت

کی خوشخبری سنائے اور دوسری طرف ان کو ذبح کرنے کا حکم دیئے۔ پھر یہ بات اپنی جگہ پر پوری قطعیت کے ساتھ ثابت ہے کہ اس وقت حضرت اسحٰقؑ کمسن تھے۔ انھوں نے نکاح نہیں کیا تھا۔ انھوں نے نکاح اس وقت کیا ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نہایت بوڑھے ہو چکے تھے۔ (دیکھو کتاب پیدائش باب ۲۴[1]) اور ان کے اولاد یا تو اس وقت ہوئی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ جیسا کہ پیدائش (۲۵:۱۱) میں ہے۔

"اور ابرہام کی وفات کے بعد خدا نے اس کے بیٹے اضحاق کو برکت بخشی"

یا اس وقت جب کہ ان کی عمر بالکل آخر ہو چکی ہے۔ چنانچہ پیدائش (۲۵:۷) میں ہے۔

"اور ابرہام کی کل عمر جب تک کہ وہ جیتا رہا ایک سو پچھتر برس کی ہوئی"

---

[1] اور ابرہام ضعیف اور عمر رسیدہ ہوا۔ اور خداوند نے سب باتوں میں ابرہام کو برکت بخشی تھی۔ اور ابرہام نے اپنے گھر کے سال خوردہ نوکر سے جو اس کی سب چیزوں کا مختار تھا کہا تو اپنا ہاتھ ذرا میری ران کے نیچے رکھ کہ میں تجھ سے خداوند کی، جو زمین و آسمان کا خداوند ہے قسم لوں کہ تو کنعانیوں کی بیٹیوں میں سے جن میں میں رہتا ہوں، کسی کو میرے بیٹے سے نہ بیاہے گا، بلکہ تو میرے وطن میں میرے رشتہ داروں کے پاس جاکر میرے بیٹے اضحاق کے لئے بیوی لائے گا (پیدائش ۲۴:۱-۵) مترجم

ہونا تو درکنار خود ان کی ولادت حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کی برکتوں میں سے ایک برکت ہے۔

کتاب پیدائش کے سترھویں باب میں جس میں حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحٰقؑ کی اولاد میں برکت وکثرت کا ذکر ہے بہت سی اہم باتیں بیان ہوئی ہیں اور ہم پورے اطمینان کے ساتھ محسوس کرتے ہیں کہ اس میں حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کے واقعہ کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اور سب سے زیادہ خاص بات یہ ہے کہ اس میں بعض واقعات تعیین زمانہ کے ساتھ بیان ہوئے ہیں جس سے ہم کو بعض ایسے مسائل کے استنباط میں رہنمائی حاصل ہو رہی ہے جو ہمارے موضوع سے نہایت قریب کا تعلق رکھتے ہیں۔

اس باب میں بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ وہ کمالِ اطاعت کی راہ اختیار کریں۔ اس وقت ان کی عمر ۹۹ برس کی تھی۔ اور حضرت اسحٰقؑ ہنوز پیدا نہیں ہوئے تھے، اسی زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے ختنہ کا حکم نازل کیا چنانچہ ایک ہی دن حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے اس حکم کی تعمیل کی۔ حضرت اسمٰعیلؑ اس وقت تیرہ سال کے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ایک ابدی عہد باندھا۔ اور ختنہ کو اس ابدی عہد اور ان کی امت کا شعار قرار دیا۔ نیز حضرت اسمٰعیلؑ کی ذریت کی کثرت اور حضرت اسحٰقؑ کی ولادت اور ان کی اولاد میں برکت کی خوشخبری دی۔ یہ باتیں تورات کے مذکورہ باب میں بیان ہوئی ہیں ان کو پیش نظر رکھو اور اس کے بعد ہمارے استنباط پر غور کرو۔

ہم کہتے ہیں کہ کمالِ اطاعت کا حکم، عظیم الشان برکات کا وعدہ، اور ایک ابدی عہد کا قیام یہ ایسے عظیم الشان امور ہیں کہ ان کے متعلق یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ ان کو محض ختنہ کی رسم کے ساتھ وابستہ کر دیا جائے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ یہاں کوئی اور بڑی بات ہوگی جس کا ذکر علمائے یہود نے حذف کر دیا ہے۔ یہ بڑی بات یہی ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کا حکم دے کر جانچا اور جب وہ اس امتحان میں پورے اترے تو ان کو برکت اور حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کی بشارت دی واقعہ کی اصل حقیقت یہ تھی۔ لیکن یہود نے اس پر پردہ ڈال دیا۔ اس روشنی میں یہ بات صاف کھل جاتی ہے کہ حضرت اسحٰقؑ کی ولادت منجملہ ان برکات کے ہے جو حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی سے ظہور میں آئیں۔

اس کی مزید توضیح ان تصریحات سے ہوتی ہے جو واقعہ ذبح کے سلسلے میں ہم کو معلوم کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ برکت اس لئے دی کہ انھوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کو خدا سے دریغ نہیں رکھا۔ پھر یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس بیٹے کو قربان کیا اس کے لئے کثرت ذریت کی بشارت اس وقت تک نہیں آتی جب تک وہ اس امتحان سے فارغ نہیں ہو جاتے۔ چنانچہ بشارت کے الفاظ یہ ہیں۔

"اب میں اس کو برکت دوں گا اور خوب بڑھاؤں گا۔"

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت اسمٰعیلؑ کا برکت پانا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ابتلاء

کمالِ اطاعت کا حکم اور ایک ابدی عہد کا قیام، یہ ساری باتیں ایک ہی زنجیر کی کڑیاں اور ایک ہی زمانہ کے واقعات ہیں اور یہی زمانہ ہے جس میں حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کی بشارت ملی ہو۔ پھر سوچو کہ جب حضرت اسحٰقؑ ہنوز پیدا ابھی نہیں ہوئے تو آخر قربان کیسے ہو گئے؟

حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت سے خود واضح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی کر کے کمال اطاعت و اسلام کا جو عظیم الشان نمونہ پیش کیا، حضرت اسحٰقؑ کی ولادت اسی قربانی کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔ اس قربانی کی اصل حقیقت یہ تھی کہ حضرت اسمٰعیلؑ کو خداوند کی نذر کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور فرمایا "کاش اسمٰعیل تیرے حضور جیتا رہے!" اس جملہ کا مطلب حرف ح فصل ۲ میں ہم بیان کر چکے ہیں اور مزید تفصیل تیرھویں فصل میں ملے گی۔

حضرت اسمٰعیلؑ کا سن اس وقت تیرہ برس کا تھا۔ یہ سن بچے کی زندگی میں بجائے خود ایک بہترین دور ہے اور اگر اس کے ساتھ ظاہری و باطنی پاکی و پاکیزگی کی تمام خوبیاں بھی جمع ہو جائیں تو سبحان اللہ۔ ایسے فرزند سعید کی قدر و قیمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ یہ زمانہ ہو گا کہ عقل و رشد کی کرنیں پیشانی سے نمودار ہو رہی ہوں گی۔ باپ کے دل میں گھسنے اور نگاہوں میں کھبنے کے لئے وہ تمام خوبیوں سے آراستہ ہو چکے ہوں گے جس تہذیب و ادب کی تمام دلربائیوں کے ساتھ باپ کے چھوٹے بڑے کاموں میں شریک ہوتے ہوں گے۔ ان حالات میں کون کہہ سکتا ہے کہ باپ کو خود اپنی جان سے زیادہ پیارے

رہے ہوں گے۔ پس یقیناً ایسے محبوب بیٹے کی قربانی کا حکم دینا ایک ابتلائے عظیم ہے اور چونکہ اس امتحان میں حضرت ابراہیم کامیاب رہے اس لئے مستحق ٹھہرے کہ ایک عہد ابدی کی عزت جاودانی اور دوسری بے شمار برکتوں اور سعادتوں سے سرفراز ہوں۔ نہ یہ کہ محض ختنہ کی ایک رسم پر عمل کر کے وہ یہ سب کچھ پا گئے۔ یہ بات بالکل بے معنی معلوم ہوتی ہے اور افسوس ہے کہ جو لوگ حق سے منہ موڑتے ہیں وہ ایسے ہی گڑھوں میں گرتے ہیں،

آٹھویں دلیل

حضرت اسمٰعیلؑ خداوند کی نذر تھے اور یہی قربانی کی حقیقت ہے

۱۲۔ چند باتیں بطور مقدمہ ذہن میں رکھو۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اپنا تمام مال و اثاثہ حضرت اسحاق علیہ السّلام کو دیا اور اپنی لونڈیوں کے بیٹوں کو کچھ انعام وغیرہ دے کر ان کو اپنے بیٹے اسحٰق کے پاس سے مشرق کے ملک میں بھیج دیا۔ (پیدائش ۲۵:۔ ۵-۶)[1]

---

[1] اور ابرہام نے اپنا سب کچھ اضحاق کو دیا، اور اپنی حرموں کے بیٹوں کو ابرہام نے بہت کچھ انعام دے کر اپنے جیتے جی ان کو اپنے بیٹے اضحاق کے پاس سے مشرق کی طرف یعنی مشرق کے ملک میں (بائبل ص۲۶ پر)

حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحٰقؑ کو زیادہ دور دور نہیں بھیجا بلکہ جب کہ ان کی وفات ہوئی ہے تو انہی لوگوں نے ان کو دفن کیا ہے۔ (پیدائش ۲۵: ۹)[۱]

ان مقدمات سے دو باتیں نہایت واضح معلوم ہوتی ہیں۔

الف۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے حضرت اسمٰعیلؑ کو اپنے سے یا حضرت اسحٰقؑ سے زیادہ دور دور نہیں کیا تھا بلکہ گاہ گاہ دونوں بیٹے باپ کی ملاقات کو بھی آیا کرتے تھے۔ یہ بات ان کی لونڈیوں کے بیٹوں کو حاصل نہ تھی۔

ب۔ حضرت اسمٰعیلؑ کو حضرت اسحٰقؑ کے ساتھ نہ تو میراث میں شریک کیا اور نہ جس طرح لونڈیوں کی اولاد کو انعام وغیرہ دئے اس طرح ان کو کوئی انعام وعطیہ بخشا اور حضرت ابراہیمؑ کی ذات سے یہ بات بہت بعید معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنے اسی بیٹے کو اپنی عنایت سے محروم کر دیں جو آخر عمر تک ان سے جدا نہ ہوا اور جو ان کا پہلوٹھا بیٹا تھا درآنحالیکہ یہ معلوم ہے کہ پہلوٹھے ہونے کی فضیلت ایک ایسی فضیلت تھی کہ جس کو کوئی چیز باطل نہیں کر سکتی تھی۔ اس اشکال کا صرف ایک ہی جواب ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ درحقیقت خداوند کی نذر کر دیئے گئے تھے۔ یہ بات اپنی جگہ پر طے ہے (جیسا کہ حرف داؤ فصل ۲ میں ہم ثابت کر چکے ہیں) کہ جو شخص خدا کی نذر کر دیا جاتا تھا میراث میں اس کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۵) بھیج دیا۔ (پیدائش ۲۵: ۵ - ۶)

[۱] اور اس کے بیٹے اضحاق اور اسمٰعیل نے مکفیلہ کے غار میں، جو ممرے کے سامنے، حتی صُحَر کے بیٹے عفرون کے کھیت میں ہے، اسے دفن کیا (پیدائش ۲۵ - ۹)

کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کا حصہ صرف خدا ہوتا تھا۔

اس سے ضمناً یہ بات بھی نکلی کہ انسان کو قربان کرنے کے معنی درحقیقت اس کو اللہ تعالےٰ کی نذر کر دینا اور اس کے گھر کا خادم بنا دینا ہے۔ حرف الف فصل ۲ میں ہم اس کی تشریح کر چکے ہیں۔

نویں دلیل

حضرت اسمٰعیلؑ کے لئے خداوند کے حضور کا لفظ آیا ہے اور یہی قربانی کی حقیقت ہے

۱۳۔ حضرت اسمٰعیل کا خداوند کی نذر ہونا بہت سی دلیلوں سے ثابت ہے۔ ازانجملہ ایک واضح دلیل پیدائش (۱۷: ۱۸) میں ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی بشارت ملی تو انھوں نے فرمایا:

"اور ابرہام نے خداوند سے کہا کاش اسمٰعیل ہی تیرے حضور جیتا رہے۔"

"تیرے حضور" یا "تیرے آگے" کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ وہ خداوند کی خدمت اور اس کے گھر کی چاکری کے لئے خاص کر دیئے گئے تھے ورنہ یہ فرمانے کا کیا موقع تھا کہ "تیرے حضور

جیتا رہے"۔ اس کے معنی تو یہی معلوم ہوتے ہیں کہ وہ خداوند کے حضور میں حاضر باشی اور اس کے گھر کی خدمت کے لئے وقف تھے اور یہی قربانی کی اصل حقیقت ہے جیسا کہ حرف ح فصل ۲ میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

دسویں دلیل

شریعت یہود میں اس عظیم واقعہ کی کوئی نشانی نہیں ہے اور یہ ہماری ملت کی اساس ہے

۱۴۱ - اگر حضرت اسحاق علیہ السلام قربان ہوئے ہوتے جیسا کہ یہود کا دعویٰ ہے تو ان کے مذہبی رسوم و عبادات میں اس عظیم الشان واقعہ کی کوئی یادگار ضرور محفوظ رہ جاتی۔ بالخصوص ایسی حالت میں کہ ان کی تمامتر عبادت قربانی اور نذر ہی سے عبارت ہے۔ بلکہ بغیر کسی شائبۂ مبالغہ کے یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ قربانی کے سوا ان کے ہاں کسی عبادت کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ انھوں نے اپنی بے شمار قربانیوں اور نذروں میں سے کسی نذر یا قربانی کو بھی اس ابراہیمی قربانی کی طرف منسوب نہیں کیا۔ تورات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قربانی یا تو قوم فرعون

کے پہلوٹھوں کے واقعۂ ہلاکت کی یادگار ہے (خروج ۱۳: ۱۱-۱۶) یا فصح کی یادگار ہے۔ فصح کی یادگار یہودی سال کے پہلے مہینہ ابیب میں بطور عید منائی جاتی ہے۔ اور یہ عید درحقیقت سرزمین مصر سے خروج کی یادگار ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ چوپایوں اور زمین کی پیداوار کے شکریہ کے طور پر بھی وہ قربانی کرتے تھے۔ لیکن پوری تورات میں اس کا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ ان کی کوئی قربانی حضرت اسحاقؑ کے واقعہ ذبح کی یادگار ہو۔ (تثنیہ ۱۶-۱-۱۷)

اس کے بالکل برعکس حضرت اسمٰعیلؑ کی ذریت میں جو مذہبی رسوم و اعمال جاری ہوئے ان میں سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت اسی ابراہیمی قربانی کو حاصل ہوئی۔ چنانچہ عہد اسلام تک ان میں جو مراسم دینی پائے جاتے تھے ان سب میں اس امر کی نہایت واضح شہادت موجود تھی مثلاً تلبیہ یعنی لبیک لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھنا واقعہ قربانی سے ماخوذ ہے۔ اس کی تصدیق تورات سے بھی ہوتی ہے۔ تورات میں ہے کہ خداوند نے ابراہیم کا امتحان لیا اور پکارا کہ اے ابراہیم! حضرت ابراہیمؑ نے جواب میں سات مرتبہ کہا "میں حاضر ہوں"۔ اسی طرح سعی کی رسم بھی اسی واقعہ قربانی ہی کے ایک معاملہ کی ایک یادگار تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام صفا کی طرف سے آئے اور جوش اطاعت و بندگی میں پوری مستعدی اور سرگرمی سے مروہ کی طرف بڑھے۔ سعی اس معاملہ کی یادگار کی حیثیت سے ذریت اسماعیل میں محفوظ رہ گئی کیونکہ سعی عربی میں اس سرگرمی اور مستعدی کو کہتے ہیں جو بندہ اپنے آقا کی فرمانبرداری اور اطاعت اور اس کے حکموں

کی تعیین میں ظاہر کرتا ہے۔ ایک شاعر کا مصرعہ ہے۔

یسعیٰ علیہا لعبد باالکوب

غلام اس کے سامنے شراب کے پیالے لیکر حاضر رہتے ہیں

اسی حقیقت کا اعتراف ہم دعائے قنوت میں کرتے ہیں۔

والیک نسعیٰ و نحفد	اور ہم تیری ہی طرف دوڑتے ہیں اور تیری خدمت میں سرگرم ہیں۔

نیز قرآن مجید میں ہے:۔

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ	اور سدا رہنے والے لڑکے
مُّخَلَّدُونَ بِأَكْوَابٍ	آبخورے اور صراحیاں لیکر ان
وَأَبَارِيقَ	پر چکر لگائیں گے۔

طواف کے ساتھ پھیرے بھی اسی واقعۂ قربانی ہی سے ماخوذ تھے چنانچہ نذر کے باب میں یہود کے ہاں بھی یہی رسم ہے۔ کہ وہ خداوند کے حضور یعنی بیت اللہ کے سامنے ہلائی جاتی ہے۔ احبار (۸:۔۲۷) اور (۱۴:۔۲۱-۲۴)

سر مونڈنا بھی اسی سلسلہ کا ایک معاملہ ہے۔ یہود کے ہاں ان مراسم میں سے صرف نذر کی قربانی کو ہلانے اور اس میں سر مونڈنے کی رسم موجود ہے۔ جیسا کہ گنتی (۶:۔۵ ۹) اور (۶:۔۱۸) سے واضح ہوتا ہے۔ لیکن نذر کی قربانیاں صرف نفل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ البتہ قرآن مجید نے فریضۂ حج کی پوری تاکید فرمائی اور یہ واضح کیا کہ حج

اور اس کے تمام مراسم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں اور یہ ملت حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے اس اسلام پر مبنی ہے جس کے امتحان میں وہ پورے اترے۔ نیز یہ بھی ظاہر فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی نے اپنی اس ذریت کے اندر جس کو مکہ کی سرزمین میں بسایا تھا ایک نبی مبعوث ہونے کی دعا فرمائی تھی اور اس کی امت کے لئے مسلم کا لقب پسند فرمایا تھا۔ ان کے سوا کچھ اور باتیں بھی بیان کی ہیں جن میں سے بعض کا ذکر خطبۂ کتاب میں ہو چکا ہے۔

الغرض یہود کے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی کوئی یادگار موجود نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں خانہ کعبہ کے حج اور وہاں نذر اور قربانی پیش کرنے سے متعلق جتنی باتیں تھیں وہ سب انھوں نے مٹا ڈالیں۔ انھوں نے تمام عزت و شرف صرف بیت المقدس کے لئے مخصوص کر دیا۔ عیسائی بھی اس معاملہ میں بالکل ان ہی کے نقش قدم پر چلے۔ ان کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس عظیم الشان قربانی کے تمام آثار و نشانات سے یک قلم محروم ہو گئے۔ انھوں نے چاہا کہ عزت و شرف کی جتنی باتیں ہیں سب صرف بیت المقدس کے لئے خاص ہو جائیں۔ لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ بیت المقدس کو اس واقعہ قربانی سے کوئی دور کا علاقہ بھی نہ تھا۔

یہود نے یہ تمام رد و بدل در اصل دوسروں کو نقصان پہنچانے کے لئے کیا لیکن اس سے اصل نقصان خود انھیں کو پہنچا۔ ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے لئے کسی بات پر جمنا مشکل ہو گیا وہ حیرانی اور تردد کی ایک مستقل کشمکش میں پڑ گئے۔ چنانچہ بعض حالتوں

میں ان کو یہ تک اعتراف کرنا پڑا کہ قربانی کی کوئی اصل ہی نہیں ہے۔ یہ چیز موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے دین میں داخل ہو گئی ہے۔ حالانکہ ان کے تمام صحیفے صرف قربانی ہی کے ذکر سے لبریز ہیں۔ توراۃ میں اس ایک عبادت کے سوا کسی اور عبادت کا گویا ذکر ہی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ نماز کا بھی کوئی پتہ نہیں چلتا۔ چنانچہ یہود کی ایک جماعت کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ نماز سرے سے فرض ہی نہیں ہے، یہ محض ایک نفلی عبادت ہے، موسیٰ علیہ السلام نے اس کا حکم نہیں دیا ہے۔ اس فرقہ کے نزدیک اصل عبادت صرف قربانی ہے لیکن قربانی کا حال یہ ہے کہ وہ ہیکل کے سوا کہیں اور ہو ہی نہیں سکتی۔ دیکھو لاوی (۱۷:۱-۹) چنانچہ جو زمانے ان پر ایسے گذرے ہیں جن میں وہ ہیکل سے جبراً بے تعلق رہے ہیں ان زمانوں میں وہ اپنے دین سے بالکل ہی محروم رہے۔ کیونکہ نماز ان کے یہاں پہلے ہی مٹ چکی تھی اور قربانی کو بیت المقدس سے بے تعلقی نے مٹا دیا۔

اس اشکال سے بچنے کے لئے نصاریٰ نے یہ نکتہ پیدا کیا کہ ہم اس مادی ہیکل کی طرف نہیں متوجہ ہوتے بلکہ سماوی ہیکل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ محض ان کی زبانی باتیں ہیں کیونکہ ان کو خوب معلوم ہے کہ ان کے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے کہ خداوند کی رحمت ان کو اسی ارضی ہیکل سے ملے گی اور اسی سے خداوند ان کی دعائیں اور فریادیں سنے گا۔ دیکھو سلاطین اوّل (۸:۱۲-۵۳)

گیارہویں دلیل

یہود کو خانہ کعبہ کی طرف قربانی کرنے کا حکم دیا گیا

۱۵۔ تورات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کو شروع ہی سے یہ حکم ملا تھا کہ وہ اپنی بڑی قربانیوں کا قبلہ مکہ معظمہ کی سمت کو قرار دیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ قربانی کے لئے ضروری تھا کہ وہ معبد میں خداوند کے حضور پیش کی جائے۔ اور فصل دوم حرف ی میں ہم بتا چکے ہیں کہ جس قربانی کا نام ان کے ہاں قدس الاقداس تھا اس کا رخ جنوب کی سمت ہونا ضروری تھا۔ اسی طرح سالانہ قربانی جو ان کے ہاں سب سے بڑی قربانی خیال کی جاتی تھی اس کا رخ بھی جانب جنوب ہوتا۔ یہود یا تو اس معاملہ کے اصلی راز سے بے خبر تھے جیسا کہ فصل دوم حرف ی میں ہم اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ یا انھوں نے بالقصد اس معاملہ کو کریدنا نہیں چاہا، بلکہ اپنی عادت کے مطابق چاہا کہ اس پر پردہ ہی پڑا رہے۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز

حالانکہ یہ بات پوری قطعیت کے ساتھ ثابت ہے کہ ان کے خیمۂ عبادت کا رخ ابتدا سے

جانب شمال تھا دیکھو (سفر خروج ۲۶ : ۹)

"مسکن کا گھر جنوب کی جانب برکت حاصل کرنے کے رخ پر بنایا جائے۔"

نیز اس کتاب کے باب ۴۰ آیت ۲۱ - ۲۴ میں ہے :-

"اور میز کو اس پردہ کے باہر مسکن کی شمالی سمت میں خیمہ اجتماع کے اندر رکھا۔ اور اس پر خداوند کے روبرو روٹی سجا کر رکھی۔ جیسا کہ خداوند نے موسیٰ کو حکم کیا تھا۔ اور خیمہ اجتماع کے اندر ہی میز کے سامنے مسکن کی جنوبی سمت میں شمعدان کو رکھا۔"

ہمارے نزدیک ان تمام ترتیب کا اصلی فلسفہ یہ ہے کہ جو شخص خداوند کے حضور آئے اس کا رخ جانب جنوب یعنی مکہ معظمہ اور ابراہیمی قربان گاہ کی طرف ہو۔ اس کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ خیمہ کے اندر مسکن مقدس بھی جنوب کی سمت میں تھا اور مذبح اس کے سامنے دروازہ کی طرف تھا۔ اس لئے جو شخص وہ قربانی پیش کرتا جس کو قدس الاقداس کہتے ہیں وہ مذبح کے شمالی جانب کھڑا ہوتا تاکہ اس کا رخ مسکن ربانی کی طرف ہو سکے۔ جس کے معنی یہ تھے کہ اس کا رخ لازماً خانہ کعبہ کی طرف ہوتا۔ جس کے پاس ہی مروہ ہے۔ جس کو اولین قربان گاہ ہونے کی عزت حاصل ہے۔ اور جس کے پاس ہی مسکن اسماعیل بھی ہے۔

بارہویں دلیل

مسکن اسمٰعیل تمام ذریت ابراہیم کا قبلہ تھا

۱۶ ۔ ہمارے مذکورہ دعاوی کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مسکن کو تمام ذریت ابراہیم کا قبلہ قرار دیا ۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو عرب کے مشرق اور شمال میں آباد کیا اور ان کا قبلہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مسکن کو قرار دیا ۔ چنانچہ توریت سے ثابت ہے کہ ان کو ان کے تمام بھائیوں کے آگے بسایا ۔ پیدائش ۲۵ ۔ ۱۸ میں ہے ۔

"اور اس کی اولاد حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اس راستہ پر ہے جس سے اسور کو جاتے ہیں آباد تھی ۔ یہ لوگ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسے ہوئے تھے "

اور پیدائش ۱۶ : ۱۲ میں ہے :۔

"وہ گورخر کی طرح آزاد مرد ہوگا ۔ اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ اس کے خلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہے گا "

ضمیمہ بائبل کی مندرجہ ذیل عبارت کو پڑھو جو اس کے صفحہ ۱۶۴ و ۱۶۵ میں درج ہے :-

"یہ پہاڑیاں یا تو بلند ٹیلے تھے یا اونچی چوٹیاں۔ ان کو عبادت کے لئے نذر پیش کرنے کی غرض سے اس عقیدہ کے ماتحت خاص کیا گیا تھا کہ یہ آسمان سے قریب ہیں۔ پس بخور سلگانے اور عبادت کے لئے بمقابلہ عام میدانوں اور وادیوں کے زیادہ مناسب ہیں باوجودیکہ موسیٰ کے صحیفوں میں عبادت کے قصد سے پہاڑیوں اور ٹیلوں پر جانے کی مخالفت تصریح کے ساتھ وارد تھی۔ لیکن حضرت سلیمان اور ان کے بعد کے زمانہ میں یہودیوں میں پہاڑیوں اور ٹیلوں پر عبادت کرنے کا عام رواج ہوا اور یہ طریقہ صرف یوشیہ کے زمانہ میں پوری طرح مٹ سکا۔ اس زمانہ میں لوگوں نے اس طرح کے تمام ٹیلے گروا دئے کیونکہ یہ یہوہ کے عبادت خانے سے زیادہ بعل کے معبد سے اشبہ تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو جو تعلیم دی تھی اس کے منشا کے بالکل خلاف تھے"

اب اس روشنی میں بیت المقدس کی حالت پر غور کرو۔ اس کی تعمیر ایک بلند پہاڑی پر ہوئی اور زینت و آرائش اور ظاہری چمک دمک کے وہ تمام لوازم پورے اسراف کے ساتھ اس کے لئے فراہم کئے گئے تھے جو بت پرست قوموں میں مقبول تھے۔ خروج اور اخبار میں اس کی تعمیر سے متعلق تمام تفصیلات موجود ہیں۔ اس کے نقرئی و طلائی اسباب و سامان، بیش قیمت ظروف، حریر کے پردے، کاہنوں کی زرکش عبائیں، قیمتی پتھروں کی جگمگاہٹ، کروبیوں کی تصویریں، یہ سب چیزیں حضرت ابراہیمؑ کی بدویانہ اور فطری سادگی

سے زیادہ بت پرست اقوام کے انداز مذاق سے مشابہ تھیں۔ پھر قربانیوں کا جلانا اور ان کی خوشبو کو خداوند کی ناک تک پہنچانے کا معاملہ تو اس دین قیم کی سادگی سے انتہائی حد تک بیگانہ تھا جس کو حضرت ابراہیمؑ لائے۔

ہاں! ایک دوسرا گھر ہے، اس کو دیکھو تو اس کے ہر گوشے اور ہر کونے میں ابراہیمی سادگی کا جمال فطرت ابھرا ہوا نظر آئے گا وہ کون؟ بطحائے مکہ کا بیت الحرام۔ وہ بت پرستوں، آفتاب پرستوں اور ستارہ پرستوں کے معابد کے لکل برعکس نشیب زمین میں تعمیر ہوا اور گویا اپنی ہیئت ہی سے اس حقیقت کا اعلان کر رہا ہے کہ خدا کی قربت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان بلندیوں میں چڑھ جائے بلکہ اس کی قربت زیادہ سے زیادہ جھکنے اور پست ہو جانے میں ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کے مسکن و معبد کی جو خصوصیات بیان کی ہیں ان کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ خود ان کی اس خصوصیت کو سمجھا جائے کہ ان کی زندگی کا ہر قول و فعل شرک سے بیزاری کا اعلان تھا اور تمام معاملات میں اہل شرک کے طریق و رسوم سے اختلاف ان کا اسوہ رہا۔ اور یہ حقیقت ان کی مشہور دعا میں بھی جھلک رہی ہے۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ	اے میرے رب میں نے اپنی بعض
بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ	ذریت کو ایک وادی غیر ذی زرع
بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ	میں تیرے محترم گھر کے پاس بسایا
فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ	ہے۔ اے ہمارے رب تاکہ یہ نماز قائم
تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ	کریں پس تو لوگوں کے دل ان کی

مِنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ (ابراہیم ۔ ۳۷) | طرف مائل کردے اور ان کو پھلوں کی روزی عنایت کرتا کہ یہ تیرے شکر گذار ہوں

ان دلائل کے علاوہ ایک اور امر بھی قابلِ غور ہے وہ یہ کہ یہ امر متفق علیہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانگاہ "بیت ایل" (خداوند کے گھر) کے سامنے تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون سا بیت اللہ اس قربانگاہ کے سامنے تھا بجز اسی جس کو حضرت سلیمانؑ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صدیوں بعد تعمیر کیا یا وہ بیت عتیق جس کے متعلق نہایت قدیم زمانے سے یہ بات معلوم و مشہور ہے کہ تمام سرزمین عرب کا محترم مرکز تھا۔ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی ذریت اس کو ہمیشہ اپنا قبلہ سمجھتی رہی !

ان ہی چند اہم باتوں پر ہم یہاں اکتفا کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ توریت میں اور بھی بہت سی دلیلیں موجود ہیں لیکن زیادہ تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ خود ان برکتوں سے ایک بہت بڑی دلیل لائی جاسکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی ذریت کو بخشیں کیونکہ یہ قطعی ہے کہ یہ برکتیں حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ذریت میں نمایاں نہیں ہوئیں اگر نمایاں ہوتیں تو یقیناً وہ اپنے دشمنوں سے مغلوب نہ ہوتے اور زنجیروں میں بندھے ہوئے اپنے گھروں اور شہروں سے بار بار محروم نہ ہوتے۔ حالانکہ یہ سب کچھ ہوا۔ بہرحال چونکہ یہ سب معلوم و مشہور باتیں ہیں اس لئے میں نے زیادہ پھیلانا ضروری نہیں سمجھا صرف تیرہ دلیلوں کے بیان پر قناعت کی اور یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ جس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام قربان ہوئے تو ان کی عمر بھی تیرہ سال کی تھی۔

باب دوم

قرآن مجید سے استدلال

قرآن مجید کے قصص اور دلائل میں تدبر کے لئے بعض اصول

۱۸ - قرآن مجید کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس نے واقعات کے بیان میں حد درجہ اختصار کا اسلوب اختیار کیا ہے اس کی عبارت ہر قسم کے حشو و زوائد سے بالکل پاک ہوتی ہے اس وجہ سے جو شخص اس کے قصص اور دلائل پر غور کرنا چاہے اس کو پہلے معلوم کر لینا چاہیے کہ ان چیزوں کے بیان میں اس کی عام روش کیا ہے؟ یہاں ہم اسی چیز کی طرف بعض اشارات کرنا چاہتے ہیں۔

قرآن مجید میں قصص، دراصل عبرت اور تعلیم حکمت کے مقصد سے بیان ہوتے ہیں اور بعض اوقات انہی کے پیٹ میں ان تحریفات کی اصلاح بھی کر دی جاتی ہے۔ جو اگلوں نے ان میں کر رکھی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لئے اس بات کی ضرورت نہیں ہوتی کہ کوئی واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے، چنانچہ قرآن مجید پر تدبر کرنے والے سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ وہ اس امر کا اہتمام نہیں کرتا کہ ایک واقعہ کو ایک ہی جگہ پوری

وضاحت و تفصیل کے ساتھ بیان کر دے بلکہ اس کا عام طریقہ یہ ہے کہ ایک واقعہ کا کچھ حصّہ ایک جگہ بیان کرتا ہے اور اسی کا کچھ حصّہ دوسری جگہ ذکر کرتا ہے اور بعض اوقات ان دونوں سے الگ ایک تیسری راہ بھی اختیار کرتا ہے۔ وہ یہ کہ پورے قصّہ یا اس کے کسی ایک حصّہ کی طرف محض ایک سرسری اشارہ کر کے گذر جاتا ہے۔ قصوں کے باب میں قرآن نے جو اسلوب بیان اختیار کیا ہے اس میں بھی درا صل اسالیب کلام کے اس عام کلیہ کو پیش منظر رکھا ہے کہ بات صرف اتنی ہی کہی جائے جتنے کے لئے موقع کلام مقتضی ہو۔ ہمارے علماء اس رمز سے واقف تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان کا ایک اصول یہ ہوا کہ قرآن کا ایک حصّہ دوسرے حصّہ کی تفسیر کرتا ہے۔ پس جو چیز تمہیں ایک جگہ مجمل ملے گی وہی چیز دوسری جگہ پوری تفصیل کے ساتھ سامنے آجائے گی۔ قرآن مجید کی تفسیر میں یہ اصول اصل الاصول ہے جو ہر غور کرنے والے کے پیش نظر رہنا چاہیئے۔

دلائل کے بیان میں بھی ایجاز اور بلاغت بیان کا یہی انداز ہوتا ہے۔ اکثر تو یہ ہوتا ہے کہ قرآن ان کو صرف بطریق اشارہ ذکر کر کے گذر جاتا ہے۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ دلیل کے اہم مقدمات کو تو بیان کر دیتا ہے۔ لیکن جو پہلو ظاہر ہوتے ہیں ان کو چھوڑ جاتا ہے۔ عقلی دلائل بیان کرنے کے معاملہ میں قرآن کا عام انداز یہی ہے۔ رہیں نقلی چیزیں تو قرآن جب ان کا حوالہ دیتا ہے تو عموماً مشہور و مسلم پہلو کی طرف اشارہ کر دیتا ہے۔ اور چونکہ اس باب میں مقصود اصلی عبرت و یاددہانی اور بخشش و عذاب کے عام

خدائی قوانین کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے اس وجہ سے تخویف و تہدید کا مضمون اکثر ان کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے۔

قصص اور دلائل پر غور کرتے ہوئے ان دو بنیادی اصولوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے، ورنہ صحیح نتیجہ تک پہنچنا ناممکن ہوگا۔ اس مختصر تمہید کے بعد اب خاص اس معاملہ پر غور کرو۔ قرآن مجید نے ذبیح کا واقعہ پوری وضاحت کے ساتھ صرف ایک جگہ بیان کیا ہے، باقی مختلف مقامات پر صرف اشارات پر اکتفا کیا ہے۔ بعض خاص اسباب سے جن کا ذکر بتفصیل فصل ۳ میں ہوا ہے ذبیح کا نام تصریح کے ساتھ کہیں بھی نہیں لیا ہے۔ لیکن اس اختلاف اور ابہام کے باوجود اتنی بات بہرحال قطعی ہے کہ ذبیح یا تو حضرت اسمٰعیلؑ ہیں یا حضرت اسحٰقؑ۔ کوئی تیسرا اس شرف کا مدعی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ قرآن نے حضرت ابراہیمؑ کے صرف انہی دو بیٹوں کا ذکر کیا ہے۔ ہمارا ذاتی خیال یہ ہے کہ اگر قرآن مجید میں ایسے روشن دلائل نہ ہوتے جو پوری تصریح کے ساتھ ذبیح کی شخصیت کو متعین کررہے ہوتے تو یقیناً ہم اس باب میں سکوت کا مسلک اختیار کرتے اور ایک ایسی بات کو کریدنا پسند نہ کرتے جس کی تصریح سے قرآن نے سکوت اختیار کیا بلکہ جیسا کہ ہمارے بعض علماء نے کہا کہ "اللہ بہتر جانتا ہے کہ ان میں ذبیح کون ہے۔ ہم اتنا جانتے ہیں کہ دونوں ہی صالح، نیکوکار اور فرمانبردار تھے" ہم بھی یہی قول دہرا کر بساط بحث کو تہ کردیتے۔ ہم مسلمانوں کا یہ شیوہ نہیں ہے کہ پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر کے لئے عصبیت کا داعیہ اپنے اندر پیدا کریں۔ اس قسم کی بیجا عصبیت اور تفریق بین الرسل دوسروں ہی کی خصوصیت ہے۔

لیکن جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا معاملہ کی نوعیت یہ نہیں ہے، بلکہ اس کے بالکل برعکس قرآن مجید میں نہایت واضح اور قطعی دلائل ایسے موجود ہیں جو ذبیح کی شخصیت کو بغیر کسی شائبۂ شک و تذبذب کے متعین کر دیتے ہیں۔ اور قرآن مجید ہی نے ہم کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ ہم اس کی آیات میں تدبر کریں اور ان کے اندر جو معانی و حقائق پوشیدہ ہیں ان کو کھولیں کہ صحیح تاویل واضح ہو۔ چنانچہ ہمارے علماء نے تعیین ذبیح کے معاملہ پر آیاتِ قرآن کی روشنی میں غور کیا ہے اور ان کے نتائجِ تحقیق کتابوں میں موجود ہیں۔ ہم پہلے قرآن مجید کے نصوص و اشارات کو پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد تیسرے باب میں روایات اور علماء کے اقوال سے بحث کریں گے۔

واقعۂ ذبح قرآن مجید کی روشنی میں

۱۹۔ قرآن مجید نے سورۃ الصّٰفّٰت میں واقعۂ ذبح کو ایک ہی سلسلہ میں تفصیل کے ساتھ اس طرح بیان فرمایا ہے :-

قَالُوا ابْنُوا لَهٗ بُنْيَانًا	بولے بناؤ اس کے لئے ایک گھر
فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ۝ فَاَرَادُوْا	اور ڈال دو اس کو آگ کے ڈھیر میں۔
بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ	پس انھوں نے اس کے ساتھ ایک
وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ	داؤ کرنا چاہا تو ہم نے انہی کو نیچا

إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۝
رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ
فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ۝
فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ
يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ
أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا
تَرَىٰ ۚ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ
مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ
مِنَ الصَّابِرِينَ ۝ فَلَمَّا
أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ۝
وَنَادَيْنَاهُ أَن يَا إِبْرَاهِيمُ ۝
قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ إِنَّا
كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ
إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ۝
وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝
سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝

دکھایا۔ اور اس نے کہا میں اپنے
پروردگار کی طرف جاتا ہوں وہ
میری رہبری فرمائے گا۔ پروردگار!
مجھے صالح اولاد بخش، تو ہم نے
اس کو ایک حلیم بیٹے کی بشارت
دی پس جب وہ اس کے ساتھ
دوڑنے پھرنے کے قابل ہوا، اس نے
کہا اے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں
کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں پس تو بتا
کہ تیری کیا رائے ہے، کہا اے میرے
باپ! وہ کیجئے جو آپ کو حکم ملا ہے
انشاء اللہ آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے
پس جب دونوں خدا کی اطاعت
میں سرنگندہ ہو گئے اور اس کو
پیشانی کے بل بچھاڑ دیا اور ہم نے
اس کو پکارا، اے ابراہیم تم نے
خواب کو سچ کر دکھایا ہم اخلاص

كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ ۝
اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝
وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا
مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَبٰرَكْنَا
عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ۔
وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ
وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ۝
وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى
وَهٰرُوْنَ ۝

(الصّٰفّٰت)
(۹۷ - ۱۱۴)

وراستی کی راہ چلنے والوں کو اسی
طرح بدلہ دیتے ہیں بیشک یہی کھلی
ہوئی آزمائش ہے، اور ہم نے اسکو
چھڑا لیا ایک ذبح عظیم کے بدلہ،
اور باقی رکھا ہم نے اس پر بعد
والوں میں سلامتی ہو ابراہیم پر،
اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں اخلاص و
راستی کی راہ چلنے والوں کو بیشک
وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا،
اور ہم نے خوشخبری دی اسحٰق کی جو
نبی ہوگا نیکوکاروں میں، اور برکت
دی ہم نے اس پر اور اسحٰق پر،
اور ان کی ذریت میں نیکوکار بھی ہیں اور اپنے حق میں صریح ظالم بھی، اور ہم نے احسان کیا موسیٰ اور ہارون پر

یہاں ہم نے اصل واقعہ سے آگے پیچھے کی آیات بھی نقل کر دی ہیں تاکہ واضح رہے کہ سلسلۂ بیان کا کوئی حرف بھی ہم نے نظر انداز نہیں کیا ہے۔

ان آیات کے پیش کرنے سے مقصود یہ دکھانا ہے کہ اگرچہ یہاں ذبیح کا نام تصریح کے ساتھ نہیں آیا ہے لیکن ایسے واضح دلائل و قرائن موجود ہیں کہ بغیر کسی تردد کے فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ مراد حضرت اسمٰعیلؑ ہیں۔ اصل مدار بحث اس تعیین پر ہے کہ

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ (پس ہم نے اس کو ایک حلیم بیٹے کی خوشخبری دی) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں میں سے کس بیٹے کی طرف اشارہ ہے۔ اگر اس کی تعین ہو جائے تو بحث کا سارا الجھاؤ ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ امر دلائل کی روشنی میں طے شدہ ہے کہ اس آیت میں جس بیٹے کی طرف اشارہ ہے وہی ذبیح ہے۔ اب ہم اس اجمال کی تفصیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

پہلی دلیل

ذبیح کا ذکر دعا کے بعد ہی آیا ہے

۲۰۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک صالح بیٹے کے لئے دعا فرمائی تھی رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ اور یہ دعا اس وقت فرمائی تھی جب ان کے کوئی اولاد نہیں تھی ورنہ ظاہر ہے کہ اولاد ہوتے ہوئے وہ ان لفظوں میں دعا کیسے کر سکتے تھے، اور اگر کرتے تو یہ جواب ملتا کہ تمہیں اولاد مل چکی ہے۔ تورات میں اس امر کی تصریح موجود ہے چھٹی اور ساتویں فصل میں ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔ پس یہاں اسی دعا کو اسکی قبولیت کی بشارت کے ساتھ ذکر فرمایا اور دعا اور قبولیت میں حرف ف کے واسطے سے

تعلق قائم کیا فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ (پس ہم نے اس کو ایک حلیم بیٹے کی خوشخبری دی) جس سے یہ نتیجہ صاف نکلتا ہے کہ یہ اسی بیٹے کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو قبولیت دعا کے طور پر عطا فرمایا۔ پھر یہیں سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ یہی حلیم و بردبار بیٹا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اکلوتی اولاد ہے۔ اور جب کہ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ ذبح کا حکم اکلوتے بیٹے کے لئے ہوا تھا تو یہ بات آپ سے آپ ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں کیونکہ اکلوتے بیٹے وہی ہیں۔

ہمارے نزدیک استدلال کا پہلو یہ نہیں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے صرف ایک ہی بیٹے کے لئے دعا فرمائی تھی جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھا ہے اور جس کا ذکر فصل ۷ ۳ میں آئے گا۔ بلکہ دعا عام تھی اور معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کیا گیا تھا کہ وہ چاہے ایک صالح بیٹا عطا فرمائے یا ایک سے زیادہ۔ بلکہ دعا کے الفاظ میں ایک سے زیادہ کے لئے نہایت لطیف اشارہ بھی چھپا ہوا ہے اور موقع دعا کے لحاظ سے یہی بات مناسب بھی تھی۔ چنانچہ دوسری جگہ دل کی یہ مخفی خواہش الفاظ میں بھی صاف ٹپک پڑی ہے:۔

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ (ابراہیم: ۴۰) — پروردگار! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد میں سے

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تعداد کا معاملہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر چھوڑ رکھا تھا۔ پس ہمارے استدلال کی قوت کا انحصار اس امر پر نہیں ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف ایک ہی بیٹے کے لئے دعا فرمائی تھی۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ دعا اگرچہ عام ہے۔ اگرچہ ان تمام صالح بیٹوں اور پوتوں پر شامل ہے جو ان کو عطا ہوئے بایں ہمہ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ میں جس بیٹے کا ذکر ہے وہ وہی اکلوتا بیٹا ہے جو قبولیت دعا کی بشارت بن کر تمام اولادوں سے پہلے عطا ہوا یعنی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کیونکہ انہی کا ذکر دامنِ دعا کے ساتھ بندھا ہوا نظر آتا ہے۔ گویا دعا ایک شجرۂ مبارکہ تھی جس کے اوّلین ثمر وہ ہیں۔

پس اس میں ذرہ بھی شبہہ کی گنجائش نہیں ہے کہ دعا کی قبولیت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت سے ہوئی۔ باقی رہے اور بیٹے اور پوتے تو گو سب اسی شجرۂ مبارکہ کے پھل اور پھول ہیں لیکن ان کی حیثیت فضل مزید اور عطیہ و نافلہ کی ہے۔ اور یہ ایسی بات ہے جو خود قرآن کے الفاظ میں پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۔ (انبیاء: ۷۲) یعنی ہم نے اس کو عطا فرمائے اسحٰق و یعقوب اپنی طرف سے ایک فضل مزید کے طور پر۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے پہلے بیٹے کا نام اسمٰعیل رکھا یعنی وہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول فرمائی۔ پس حضرت اسحٰق و حضرت یعقوب علیہما السلام اگرچہ دعا اور بخشش کے عموم میں شامل ہیں لیکن فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ میں صرف اسی اکلوتے کا ذکر ہے جو اس وقت عطا ہوا جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اولاد نہیں تھی۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ "نافلہ" بمعنی فضل مزید ہونے میں حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ دونوں یکساں ہیں۔ اس اعتبار سے ان میں کسی قسم کا فرق نہیں کیا جا سکتا۔ بعض مفسرین نے "نافلہ" سے مراد مخصوص طور پر حضرت یعقوب کو لیا ہے لیکن میرے نزدیک حضرت اسحٰقؑ کا نافلہ ہونا زیادہ واضح ہے۔ کہ وہ بغیر کسی دعا اور انتظار کے عطا ہوئے۔ اس کی تفصیل فصل ۲۳ میں ملے گی۔ ان مفسرین کی غلط فہمی کی بنیاد یہ ہے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا ثمرہ حضرت اسحٰقؑ کو قرار دیتے ہیں اور حضرت یعقوبؑ کو اس سے الگ قرار دیتے ہیں۔ لیکن ان تمام دلائل کی روشنی میں جو گذر چکے ہیں، ہر شخص جانتا ہے کہ ہمارے ان مفسرین نے یہ مسموم لقمہ یہود کے ہاتھوں سے لیا ہے اور پھر مزید ستم یہ ہوا کہ اس غلطی نے ایک دوسری غلطی کے لئے بنیادیں استوار کر دیں یعنی بعضوں نے یہیں سے یہ سمجھا کہ نافلہ پوتے کو کہتے ہیں اور جامد مقلدوں نے ایک قدم آگے بڑھا کر اس کو کتب لغت میں بھی جگہ دے دی۔ حالانکہ اس معنی کے لئے کلام عرب کی کوئی سند بھی موجود نہیں ہے۔ اور ائمہ لغت اس سے علانیہ انکار کر رہے ہیں۔ پس اس طرح کے اقوال سے دھوکہ میں نہ پڑنا چاہیئے۔

دوسری دلیل

اس دعا کی دوسری نظیر اور نظم قرآن کا اشارہ

۲۱۔ جس طرح مذکورہ واقعہ میں ذبیح کا ذکر بالکل دعا کے ساتھ لگا ہوا اور حضرت اسحٰق علیہ السّلام کا ذکر بعد میں آیا ہے، اسی طرح ایک دوسری جگہ بھی ذکر آیا ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ نے دعا قبول ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا ہے وہاں بھی دونوں کے ذکر میں یہی تقدیم وتاخیر ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَھَبَ	اس خدا کا شکر جس نے مجھے عطا
لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ	فرمائے بڑھاپے میں اسماعیل
وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّیْ	اور اسحاق بے شک میرا
لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ (ابراہیم ۳۹)	پروردگار دعا سننے والا ہے۔

یہاں "اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ" میں جس دعا کا حوالہ ہے وہ وہی دعا ہے جو اوپر واقعۂ ذبیح کی تفصیلات میں گذر چکی ہے۔ یعنی "رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ" اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں مقامات میں ایک ہی دعا اور اسی کی قبولیت کا ذکر

رہے۔ اور اس سے یہ نتیجہ آپ سے آپ نکلتا ہے کہ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ میں اس بیٹے کا ذکر ہے جو پہلے عطا ہوا اور "بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ" میں اس بیٹے کا جو بعد میں عطا ہوا یعنی یہ تقدیم و تاخیر واقعات کی اصل ترتیب کو واضح کر رہی ہے۔

تیسری دلیل

دونوں نظیروں کی تطبیق ایک دوسرے پہلو سے

۲۲۔ آیت مذکورہ بالا، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ الآیۃ میں صرف یہی نہیں ہے کہ شکر کے موقع پر حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کے نام کو مقدم رکھا، بلکہ انھوں نے یہ بات بھی کھول دی ہے کہ ان کا نام اسمٰعیل اس وجہ سے رکھا کہ وہ ان کی دعا کی قبولیت تھے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ "بے شک میرا پروردگار دعا کا سننے والا ہے اور اسماعیل کے معنی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں (سمع اللہ یا اللہ نے سنا) کے ہیں، پس گویا ان کی دعا کی تفصیلی تعبیر یوں ہوگی "اس پروردگار کا شکر جس نے مجھے عطا فرمایا اسمٰعیل میری دعا کی قبولیت کے طور پر، پھر مجھے بخشا اسحٰق فضل مزید کے طور پر"۔ ٹھیک اسی طرح صٰفّٰت میں جہاں واقعۂ ذبح بیان

فرمایا پہلے بیٹے کا ذکر دعا سے بالکل متصل لاکر بتا دیا کہ یہی بیٹا دعا کی قبولیت ہے۔ پس
دعا اور اس بیٹے کے بارے میں، جو قبولیت دعا ہے دونوں آیتوں کا بیان ایک ہی ہے۔
ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ علاوہ ازیں پہلی آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اس سے مراد اسمٰعیلؑ
ہیں اور دوسری سے یہ واضح ہو گیا کہ وہی ذبیح ہیں۔ پس اس طرح گویا یہ بات بالکل
صاف ہو گئی کہ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ
میں حضرت اسمٰعیلؑ کے سوا کوئی دوسرا مراد نہیں ہو سکتا۔

چوتھی دلیل

حضرت اسحٰقؑ کی بشارت کے بارہ میں تمام نظائر کا استقصار

۳۳۔ یہاں (سورہ صفّٰت میں) دو بشارتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک
غلام حلیم کی بشارت ہے جو دعا سے بالکل متصل ہے اور دوسری حضرت اسحٰقؑ کی
بشارت ہے جو دعا سے بالکل علیحدہ ہے۔ اسی طرح حضرت اسحٰقؑ کی بشارت قرآن مجید
میں متعدد مقامات پر وارد ہے۔ لیکن دعا کے ساتھ مذکور ہونا تو الگ رہا کہیں سے یہ
بھی نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت ابراہیمؑ نے ان کی ولادت کے لئے کوئی دعا فرمائی ہو

یا کم از کم اس کے لئے متوقع ہی رہے ہوں۔ اور بعینہٖ یہی بات تورات سے بھی معلوم ہوتی ہے۔ کہ حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کی بشارت ایسی حالت میں ملتی ہے کہ نہ وہ ان کی ولادت کے لئے متمنی تھے اور نہ منتظر۔ چنانچہ جب ان کو بشارت ملتی ہے تو وہ اس کو سنکر متعجب ہوتے ہیں۔ کتاب پیدائش ۱۷:۱۷ میں ہے :۔

"تب ابرہام سرنگوں ہوا، اور ہنس کر دل میں کہنے لگا کہ کیا سو برس کے بڈھے سے کوئی بچہ ہوگا اور کیا سارہ کے جو نوے برس کی ہے اولاد ہوگی"۔

اس تعجب کو سامنے رکھ کر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک بیٹا عطا فرمانے کا وعدہ کیا تھا، اگر وہ بیٹا حضرت اسحاقؑ ہی ہوتے تو اس بشارت پر حضرت ابراہیمؑ کو تعجب کیوں ہوتا۔؟ پس یہ بشارت جو دعا کے ساتھ بطور اس کی قبولیت ملائی گئی ہے، حضرت اسحاقؑ کے متعلق ہرگز نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک مستقل دلیل ہے اس کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

علاوہ ازیں ایک اور وجہ سے بھی یہ بشارت حضرت اسحٰقؑ کے متعلق نہیں ہو سکتی وہ یہ کہ حضرت اسحٰقؑ کے متعلق جتنی بشارتیں مذکور ہیں ان میں سے ایک بھی کسی دعا سے متصل یا اس پر مبنی نہیں ہے۔

اس وجہ سے اگر اس کو حضرت اسحٰقؑ کے بارے میں مانا جائے تو یہ اپنے تمام نظائر کے خلاف پڑے گی۔ حالانکہ اصول یہ ہے کہ نظیر کو نظیر پر محمول کیا جائے۔ پس ان وجوہ سے ناگزیر ہے کہ یہ بشارت حضرت اسمٰعیلؑ ہی کے بارہ میں مانی جائے جو اپنے باپ کی

دعا کی قبولیت بن کر آئے تھے۔ اور چونکہ اس امر کی تصریح قرآن مجید میں مذکور ہے کہ اس بشارت میں جس بیٹے کا ذکر ہے وہی ذبیح ہے اس لئے لازماً یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں۔

پانچویں دلیل

پہلی بشارت دوسری بشارت سے بالکل الگ ہے

۲۴۔ اس میں شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ دونوں بشارتوں کے درمیان عطف کا ہونا اس امر کی نہایت واضح دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دو بیٹوں کی بشارت دی گئی۔ رہا یہ کہنا کہ دونوں بشارتوں کے مصداق حضرت اسحٰقؑ ہی ہیں۔ پہلی بشارت اس پہلو سے ہے کہ وہ ایک "غلام حلیم" ہیں، اور دوسرے اس پہلو سے کہ وہ نبی ہوں گے" ظاہر قرآن کے خلاف بلکہ نہایت غلط بات ہے، کوئی دلیل بھی اس کی تائید میں نہیں ہے۔ اگر اس قول کی لغویت بالکل واضح طور پر معلوم کرنا چاہیں تو دونوں بشارتوں کو یکجا کر دیجئے۔ استدلال کا سارا عیب کھل جائے گا۔ جمع کر دینے کی صورت میں گویا پوری بات یوں ہو گی "ابراہیم نے دعا کی اے پروردگار! مجھے صالح اولاد دے۔ پس اللہ تعالےٰ

نے اس کو ایک حلیم بیٹے کی خوشخبری دی جس کا معاملہ یوں ہوا اور اس کو اسحاق کی بشارت دی جو نیکوکاروں میں سے نبی ہوگا۔" کیا کوئی خوش مذاق آدمی اس کلام پر ایک نظر ڈالنے کے بعد یہ مان سکتا ہے کہ اس میں "حلیم بیٹے" اور "اسحاق" سے ایک ہی شخص مراد لیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ہمارے اور اہل کتاب کے درمیان یہ بات متفق علیہ ہے کہ حضرت اسحٰقؑ کی ولادت سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کو ایک حلیم اور اطاعت شعار بیٹا عطا ہو چکا تھا۔ پھر کلام کو اس کے ظاہر سے ہٹا کر دونوں معطوفوں کو ایک قرار دینا کتنی عجیب بات ہے۔ الغرض یہ قطعی ہے کہ پہلی بشارت کا تعلق حضرت اسمٰعیلؑ سے ہے اور وہی ذبیح ہیں اور دوسری بشارت حضرت اسحٰقؑ سے متعلق ہے جیسا کہ بالتصریح معلوم ہے۔

چھٹی دلیل

بشارت کے بعض قرائن جو حضرت اسحٰقؑ کے ذبیح ہونے کے منافی ہیں

۲۵ - یہ بات ثابت ہے کہ جو بیٹا قربان ہوا وہ قربانی کے وقت کم سن تھا۔ ابھی مردوں کے سن شعور کو نہیں پہنچا تھا۔ چنانچہ اس کی نسبت فرمایا ہے :-

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ (جب وہ اس کے ساتھ دوڑنے پھرنے کے سن کو پہنچا) نیز ذبح کے وقت حضرت ابراہیمؑ نے اس کو "یٰبُنَیَّ" اے میرے بچے! کہکر مخاطب کیا۔ نیز توراۃ میں بھی ایسے الفاظ موجود ہیں جس سے اس دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔

برعکس اس کے حضرت اسحٰق علیہ السّلام کے متعلق جو بشارت ہے اس میں صاف تصریح ہے کہ وہ نبی ہوں گے۔ ایسی حالت میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام یہ کیسے گمان کر سکتے تھے کہ ذبح کا حکم اسی بیٹے کے لئے ہے۔ ان کا ایسا سمجھنا یقیناً الہامی تصریحات کے بالکل خلاف ہوتا۔

چونکہ یہ بات مخالفین کے دعویٰ کے علانیہ خلاف تھی اس لئے انھوں نے اس کو توڑنے کی بہت کوشش کی ہے۔ اور اس کے دو جواب دیئے ہیں۔

اس کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان کے ذبح کا حکم اس وقت دیا گیا ہے جب وہ نبی ہو چکے تھے اور "سعی" سے مراد یہ ہے کہ وہ ان کے تمام کاموں میں برابر کے شریک ہو سکتے تھے۔ رہا "یٰبُنَیَّ" سے خطاب تو یہ محض بر بنائے محبت اور تعلق قلب کے تھا۔

ان جوابات کا ضعف واضح ہے کیونکہ قرآن کے الفاظ صریحاً اس مفہوم کے خلاف ہیں نیز توراۃ میں بالکل غیر مشتبہ تصریحات اس بات کی موجود ہیں کہ ذبح ہونے والا بیٹا کمسن اور نوخیز تھا۔

دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ نبوت کی بشارت دوسری بشارت ہے اور یہ اس وقت نازل ہوئی ہے جب وہ قربان ہو چکے ہیں۔

قطع نظر اس سے کہ یہ جواب مہمل ہے یہ ہمارے حریفوں کے کچھ مفید بھی نہیں۔

اس کا مہمل ہونا تو یوں واضح ہے کہ تورات میں حضرت اسحٰقؑ کی بشارت مذکور ہے اور قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر کئی جگہ آیا ہے اور ہر جگہ سے یہ ثابت ہے کہ یہ بشارت ان کی ولادت سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ پھر ان میں تفریق کرنا اور بعض کو بعض خاص زمانوں سے مخصوص کرنا ایک ایسی بات ہے جس کی نہ تو نظائر سے تائید ہوتی ہے اور نہ کوئی دوسری ہی دلیل اس کی حمایت کرتی ہے۔

اور غیر مفید ہونا یوں واضح ہے کہ معاملہ صرف اسی قدر نہیں ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السّلام کی بشارت ان کی ولادت سے پہلے دی گئی ہے بلکہ ان کے بیٹے کی بشارت بھی ساتھ ہی دی گئی ہے۔

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ	اور اس کی بیوی کھڑی تھی
فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ	پس وہ تعجب سے ہنسی تو ہم نے
وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ۔	اس کو خوشخبری دی اسحٰق کی اور
(هود-۱۷)	اسحٰق سے یعقوب کی۔

یعنی ایک بیٹے کی خوشخبری دی اور ساتھ ہی اسی بیٹے سے ایک پوتے کی ولادت کی بھی خوشخبری دی اور ظاہر ہے کہ جب نبوت کی صفت کے ساتھ ان کی خوشخبری دیا جانا اس امر کے منافی ہے کہ وہ ذبیح ہوں تو اپوت کی صفت کے ساتھ ان کی خوشخبری دیا جانا تو بدرجۂ اولیٰ اس کے منافی ہوگا۔ پس ان بشارتوں میں فرق کر کے جو مقصد وہ حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ کسی طرح حاصل نہیں ہوتا۔ بات وہی

صحیح ثابت ہوتی ہے جو قرآن کے الفاظ سے نکلتی ہے یعنی بشارت درحقیقت ایک ہی ہے اور یہ ان کی پیدائش سے پہلے دی گئی ہے اور چونکہ اس میں بالتصریح بتا یا گیا ہے کہ وہ نبی ہوں گے اور ان کے ایک بیٹے کا نام یعقوب ہوگا اس لئے یقیناً فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ الآیۃ میں وہ مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ اس میں اس بیٹے کا ذکر ہے جو ذبیح ہوگا اور یہ باتیں ذبیح ہونے سے مانع ہیں۔

ساتویں دلیل

ذبیح اور اسحٰقؑ کے لئے دو علیحدہ صفات

۲۶۔ قربان ہونے والے بیٹے کی صفت قرآن نے "حلیم" (بردبار) بیان فرمائی ہے اور حضرت اسحٰقؑ کی تعریف میں "علیم" کا لفظ فرمایا ہے۔ سورہ ذاریات میں ہے۔ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ "اور اس کو ایک صاحب علم بیٹے کی بشارت دی" ہمارے نزدیک ان دونوں صفتوں میں ایک نازک فرق ہے۔ حلم ایک خلقی صفت ہے، جس شخص میں عقل و فہم اور صبر کی خصوصیات ہوں گی اس میں یہ صفت پائی جائے گی اور اس کے آثار بچپنے سے نمایاں ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے علم تجربہ اور ممارست

کی ایک خاص حد کا انتظار کرتا ہے اور جب تک کہ آدمی عمر کی پختگی کو نہ پہونچ جائے اس کا یہ جوہر نہیں چمکتا۔ حضرت یوسف علیہ السّلام کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا ہے:-

فَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗ	اور جب وہ عمر کی پختگی کو پہنچ گیا
اٰتَیۡنٰہُ حُکۡمًا وَّعِلۡمًا	ہم نے اس کو فیصلہ کی قوت
(یوسف - ٢٢)	اور علم عطا فرمایا۔

اس میں "بَلَغَ اَشُدَّہٗ" کے الفاظ پر غور کرو کہ علم نبوت بھی جو سرتا پا بخشش الٰہی ہے ایک خاص عمر سے پہلے نہیں ملتا۔

اس روشنی میں اگر "بَشَّرۡنٰهُ بِغُلٰمٍ عَلِیۡمٍ" (اس کو خوشخبری دی ایک صاحب علم بیٹے کی) پر غور کرو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ بیٹا جوان ہو کر صاحب علم و عمل ہوگا اور یہ گویا ٹھیک نظیر ہے "وَبَشَّرۡنٰهُ بِاِسۡحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ" کی جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ بیٹا جوان ہو کر انبیاء کرام کی صف میں داخل ہوگا۔ اور چونکہ یہ ثابت ہے کہ حضرت اسحٰقؑ کے صاحب علم ہونے کی بشارت ان کی ولادت سے پہلے دی گئی اس لئے لازماً یہ ان کے ذبیح ہونے کے منافی ہے۔ البتہ حضرت اسمٰعیلؑ کی صفت حلیم بیان فرمائی ہے جس سے وہ فرق پوری طرح واضح ہو جاتا ہے جو اوپر بیان ہوا۔

آٹھویں دلیل

ذبیح اور اسمٰعیلؑ کے لئے ایک جامع صفت

۲۷ ۔ اسی قسم کا ایک اور لطیف استدلال بھی قابل غور ہے۔
واقعہ ذبح کے سلسلہ میں قرآن مجید نے ذبیح کا یہ قول بھی ہم کو سنایا ہے:۔

سَتَجِدُنِیٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ — انشاء اللہ آپ مجھ کو ثابت قدم
مِنَ الصّٰبِرِیْنَ (صٰفّٰت) — رہنے والوں میں پائیں گے۔

یعنی ذبیح کی ایک خاص صفت صبر بیان ہوئی ہے۔ یہ صفت حضرت اسحٰقؑ کے لئے، باوجودیکہ ان کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے کہیں بھی بیان نہیں ہوئی ہے۔ البتہ حضرت اسمٰعیلؑ کے لئے یہ صفت نمایاں طور پر بیان ہوئی ہے سورۃ الانبیاء میں ہے:۔

وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ — اور اسماعیل اور ادریس
وَذَا الْکِفْلِ کُلٌّ — اور ذوالکفل کو، یہ سب
مِنَ الصّٰبِرِیْنَ — صابرین میں سے تھے۔

اس سلسلہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نام مقدم ہونا اس امر کو واضح کرتا ہے

کہ اس وصف (صبر) میں ان کا مقام سب سے اونچا تھا اور بلاشبہہ جس نے اپنی جان بیدریغ خدا کے حوالہ کر دی ہو اس سے زیادہ کوئی دوسرا اس صفت سے متصف ہونے کا حقدار نہیں ہے۔

اگر اس وصف میں حضرت اسحٰق علیہ السلام نمایاں ہوتے جس کا فرض کرنا ان کو ذبیح ماننے کی صورت میں لازمی ہو جاتا ہے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ قرآن مجید اس کو نمایاں نہ کرتا۔

نویں دلیل

ذبیح اور حضرت اسمٰعیلؑ کے مابین ایک دوسری جامع صفت

۲۸۔ اسی کے مشابہ ایک اور لطیف نکتہ بھی قابل لحاظ ہے۔

قرآن مجید نے حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کا ذکر کرتے ہوئے جگہ جگہ ان کی ایسی صفتیں بیان کی ہیں جن سے واقعۂ ذبح پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے "وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ" اور ابراہیم جس نے پورا کیا "پورا کیا" سے یا تو یہ مراد ہو کہ انھوں نے اپنی نذر پوری کی اور یہ تاویل زیادہ

ظاہر ہے۔ یا یہ مراد ہو کہ طاعت و بندگی کی تمام ذمہ داریاں پوری کیں۔

اسی طرح حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کے متعلق فرمایا :۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ	اور یاد کرو کتاب میں
إِسْمٰعِيلَ إِنَّهُ كَانَ	اسمٰعیل کو، بے شک وہ وعدہ
صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ	کا پکا اور رسول و
رَسُولًا نَبِيًّا۔ (مریم ۵۴)	نبی تھا۔

یہ بات اپنی جگہ پر طے ہے کہ قرآن مجید کسی بات کا ذکر اسی وقت کرتا ہے جب وہ نہایت اہم اور عظیم الشان ہو۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ ان آیات میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السّلام کی جن صفات کا ذکر ہوا ہے وہ ان کی زندگیوں میں غیر معمولی اہمیت رکھتی ہوں، ان کے ذکر سے مقصود محض ان کے عام کردار کا اظہار نہ ہو۔ اس پہلو کو سامنے رکھ کر معاملہ پر غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ اگر حضرت اسحٰقؑ ذبیح ہوتے تو ضروری تھا کہ ان کے لئے قرآن مجید اور تورات میں یہ وصف بیان ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ نہ قرآن مجید میں ان کی اس صفت کا کہیں ذکر ہوا ہے اور نہ تورات ہی میں اس کا کوئی اشارہ موجود ہے۔ ہاں حضرت اسمٰعیلؑ کے متعلق یہ صفت نہایت نمایاں طور پر بیان ہوئی ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ قرآن مجید یا تورات میں ہم حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کے متعلق واقعۂ ذبح کے سوا کوئی ایسی بات نہیں پاتے جو ان کی اس صفت کی مصداق ہو سکے۔ البتہ واقعۂ ذبح کے سلسلے میں ان کا وعدۂ صبر ملتا ہے وہ فرماتے ہیں :۔

سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ | انشاء اللہ آپ مجھے ثابت قدم
مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ | پائیں گے۔

یہ ان کا وعدہ تھا اور ضروری تھا کہ وہ امتحان کی کسوٹی پر اس کی صداقت آشکارا کر دیں۔ چنانچہ انھوں نے چھری کے نیچے اپنی گردن رکھ کر اپنے عہد و قرار کی استواری کی ایک دائمی حجت قائم کر دی:۔

فَلَمَّاۤ اَسۡلَمَا وَ تَلَّہٗ | پس جب دونوں خدا کی اطاعت
لِلۡجَبِیۡنِ ۔ . . . . | میں سرفگندہ ہو گئے اور اس کو
. . . . | پیشانی کے بل پچھاڑ دیا۔

اب تم اس پورے سلسلہ پر ایک نگاہ ڈال کر ذبیح اور حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی صفات کی مطابقت پر غور کرو اور یہ بھی دیکھو کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کے لئے جو صفت قرآن مجید نے بیان فرمائی ہے اس واقعہ ذبح کے سوا کوئی اور چیز ایسی نہیں ملتی جس پر یہ صفت منطبق ہو سکے نیز یہ امر بھی معلوم ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السّلام کے لئے یہ صفت کہیں بھی مذکور نہیں ہے نہ تورات میں نہ قرآن مجید میں۔ حالانکہ اگر وہ ذبیح ہیں تو ان کے بارے میں سب سے زیادہ واضح لفظوں میں بیان کرنے کی بات یہی تھی۔ کیا ان تمام دلائل و قرائن کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی شخص اس میں شک کر سکتا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہیں۔

دسویں دلیل

ذبیح اور حضرت اسحٰقؑ کا ذکر مستقلاً علیحدہ علیحدہ ہوا ہے

۲۹۔ اوپر تم نے دیکھا کہ پہلے اس مبشر کا ذکر ہوا جس کو ذبیح ہونے کی عزت و سعادت حاصل ہوئی۔ پھر اس مبشر کا ذکر ہوا جس کا نام تصریح کے ساتھ اسحٰق بتایا گیا ہے۔ اب دیکھو کہ ان دونوں کے حالات مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان ہوئے :۔

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى	اور ہم نے اس پر برکت دی اور
إِسْحٰقَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا	اسحٰق پر اور ان دونوں کی اولاد میں
مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ	نیکوکار بھی ہیں اور اپنی جان پر
مُبِيْنٌ۔ (صٰفٰت)	کھلا ہوا ظلم کرنے والے بھی۔

آیت کے الفاظ پر غور کرو، یہاں بھی دونوں کو دو الگ الگ اشخاص کی حیثیت سے ذکر کیا ہے، ایک نہیں قرار دیا ہے۔ پس جب یہ بات ثابت ہے کہ پہلی بشارت دوسری بشارت سے بالکل علیحدہ ہے، اور یہ طے ہے کہ ذبیح وہ بیٹا ہے جو پہلی بشارت کا مصداق ہے۔ دوسری بشارت کے متعلق تصریحات سے معلوم ہے کہ اس کا تعلق حضرت اسحٰقؑ سے ہے تو اب ہمارے دعوی کے ثبوت میں کس چیز کی کمی رہ گئی ؟ انہی نتائج تک تو ہم پہونچنا

چاہتے تھے :۔

ہاں اب صرف یہ بات رہ گئی کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں جن دو شخصوں کا ذکر ہے ان سے مراد حضرت ابراہیم اور حضرت اسحٰق علیہما السّلام ہیں، آیت میں حضرت اسمٰعیلؑ کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ تاویل نہایت کمزور ہے۔

الف۔ حضرت ابراہیمؑ پر برکت کا ذکر اوپر ہو چکا ہے :۔

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ہ	سلامتی ہو ابراہیم پر۔ ایسے
كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ	ہی ہم بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو،
اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ	بے شک وہ ہمارے باایمان
(صٰفٰت)	بندوں میں سے تھا۔

اس جملہ کا اسلوب بالکل ایک اختتامی جملہ کا ہے۔ یعنی اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان سے متعلق جو بات یہاں کہنے کی تھی پوری ہو گئی ہے۔ اب کوئی بات باقی نہیں رہ گئی ہے۔ چنانچہ یہاں آگے اور پیچھے جتنے انبیاء کا ذکر ہوا ہے ان سب کا ذکر اسی طرح کے جملہ پہ ختم ہوا ہے۔ مثالیں دیکھو۔ فرمایا :۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ہ	اور چھوڑا ہم نے اس پر پچھلوں
سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ	میں، سلامتی ہو نوح پر عالم میں،
فِى الْعٰلَمِيْنَ ہ اِنَّا كَذٰلِكَ	ایسے ہی ہم بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں
نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ہ اِنَّهٗ	کو، بے شک وہ ہمارے باایمان

مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ثُمَّ
أَغْرَقْنَا الْآخَرِيْنَ ۝ وَإِنَّ مِنْ
شِيْعَتِهٖ لَإِبْرٰهِيْمَ ۝ (صٰفّٰت)

بندوں میں سے تھا۔ پھر ہم نے
غرق کر دیا اوروں کو اور بیشک
اس کی جماعت میں سے تھا ابراہیم

پھر فرمایا:۔

سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝
إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝
إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝
وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝
(صٰفّٰت)

سلامتی ہو موسیٰ اور ہارون پر
ایسے ہی بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو
بے شک وہ دونوں ہمارے
باایمان بندوں میں سے تھے۔ اور بیشک
الیاس رسولوں میں سے تھا۔

پھر فرمایا:۔

سَلٰمٌ عَلٰى إِلْ يَاسِيْنَ ۝
إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝
إِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝
وَإِنَّ لُوْطًا لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝
(صٰفّٰت)

سلامتی ہو الیاس پر۔ بیشک ایسے
ہی ہم بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو
بیشک وہ ہمارے باایمان بندوں
میں سے تھا اور بے شک لوط
رسولوں میں سے تھا۔

پھر سورۃ کا خاتمہ اس آیت پر فرمایا:۔

سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ

اور سلامتی ہو رسولوں پر

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اور شکر ہے عالم کے پروردگار
(صٰفّٰت) کے لئے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے واقعہ کے ذکر سے فارغ ہونے کے بعد برکت وسلامتی کے ساتھ ان کے ذکر کو تمام کر دیا ہے۔ پھر اس برکت وسلامتی کا ذکر فرمایا ہے جو ان کی ذریت کے لئے مخصوص ہوئی اور چونکہ حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ کے سلسلے میں ان کے پہلے بیٹے کی بشارت کا ذکر ہو چکا تھا اس لئے اس کے بعد ان کے دوسرے بیٹے کی بشارت کا ذکر ہوا، پھر تمام انبیاء کے واقعات کی طرح برکت وسلامتی کے ذکر کے ساتھ ان کے ذکر کو بھی ختم کر دیا۔

ب۔ یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ دونوں کو برکت عطا فرمائی اور ان کی اولادوں کو دو مبارک جگہوں میں علٰحدہ علٰحدہ بسایا۔ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کے مسکن کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ تورات میں حضرت اسمٰعیلؑ کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت پانا تصریح کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ یہ وجوہ داعی تھے کہ یہاں ان دونوں کی برکت کا ذکر آئے۔ پس جب تک اس بات کی کوئی نہایت قوی دلیل نہ مل جائے کہ یہاں تخصیص کے ساتھ صرف حضرت اسحٰقؑ کا ذکر ہوا ہے، اس وقت تک اس ظاہر حقیقت کو نظر انداز کرنا ناممکن ہے اور چونکہ اس طرح کی کوئی دلیل یہاں موجود نہیں ہے اس لئے اولیٰ یہی ہے کہ ہم وہ تاویل اختیار کریں جو زیادہ وسیع اور زیادہ خوبصورت ہو یعنی یہ سمجھیں کہ یہاں حضرت اسحٰقؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ

دونوں کے لئے برکت وسلامتی کا ذکر ہے گویا پوری بات یوں کہی گئی ہے کہ ہم نے اسمٰعیل اور اسحٰق پر اپنی رحمت وبرکت نازل کی اور ان دونوں کی اولاد میں سے کچھ نیکوکار ہیں اور کچھ اپنے آپ پر کھلے ہوئے ظلم کرنے والے ہیں۔

ج۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں پر اپنے انعامات کا ذکر قرآن مجید میں بار بار فرمایا ہے۔ اور نیک بندوں میں سے جن لوگوں کو اپنے مخصوص فضل وکرم سے نوازا ہے ان کا ذکر مخصوص اہتمام سے فرمایا ہے۔ اسی مخصوص جماعت میں حضرت اسمٰعیل وحضرت اسحٰق علیہما السلام بھی ہیں جو خاص فضل وبرکت سے مشرف ہوئے پس قرآن مجید اور تورات میں ان کی برکتوں اور نعمتوں کا ذکر بار بار خاص اہتمام کے ساتھ ہوا تاکہ عرب اور یہود جو ان کی ذریت میں ہیں اداے شکر کی اس ذمہ داری کو سمجھیں جو ان نعمتوں کے بعد ان پر عائد ہوتی ہے۔ کلام کے اس رخ کے لحاظ سے یہاں یہ ضروری ہوا کہ یہ امر بھی بیان کر دیا جائے کہ ان کی ذریت دو جماعتوں میں بٹ گئی ہے، ایک جماعت نے نیکی و اطاعت کی راہ اختیار کی ہے اور اپنے پروردگار کی شکر گذار بنی ہے اور دوسری جماعت نافرمانی اور شرارت میں مبتلا ہو گئی ہے اور اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔

اس تفصیل کا مقصد یہ تھا کہ ان لوگوں کو توجہ ہو اور یہ خدا کی ان نعمتوں کو جو ان پر اور ان کے آبا و اجداد پر ہوئیں یاد کر کے اطاعت وشکر گذاری کی راہ اختیار کریں قرآن مجید اور تورات میں یہ مضمون بار بار بیان ہوا ہے جس سے مذکورہ تفصیل کی پوری تائید ہوتی ہے۔ مثلاً :۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا
وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي
ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ
وَالْكِتَابَ فَمِنْهُم مُّهْتَدٍ
وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ۝ (حدید ۲۶)

اور بھیجا ہم نے نوح اور ابراہیم
کو اور قائم کی ان کی ذریت میں
نبوت اور دی کتاب۔ پس
ان میں سے کچھ ہدایت پر ہیں
اور زیادہ نافرمان ہیں۔

دوسری جگہ ہے :-

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ
الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ
عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ
لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ
وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ۔
(فاطر ۔ ۳۲)

پھر ہم نے وارث بنایا کتاب
کا ان لوگوں کو جن کو چنا اپنے
بندوں میں سے پس ان میں کچھ
اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں کچھ
میانہ رو ہیں اور کچھ بھلائی میں
بڑھنے والے ہیں۔

اسی طرح پر یہاں عرب اور یہود دونوں کو ان خرابیوں پر متنبہ کیا ہے جو ان کے اندر پیدا ہو چکی ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل اس باب کے آخر میں ہم کسی قدر بیان کریں گے۔

غرض :-

وَمِن ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ
وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ۔

اور ان کی ذریت میں کچھ نیکوکار اور کچھ
اپنے نفس پر کھلے ہوئے ظلم کرنے والے ہیں

کا ظاہر مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحٰقؑ دونوں کی ذریت مراد ہوں کیونکہ کچھ کا نیکوکار، اور کچھ کا ظالم ہونا جس طرح حضرت اسحٰقؑ کی ذریت کے باب میں صحیح اور بالکل واقعات کے مطابق ہے اسی طرح حضرت اسمٰعیلؑ کی ذریت کے بارہ میں بھی حرف حرف صحیح اور نفس واقعہ کی صحیح تصویر ہے قرآن مجید جوامع الکلم کی بہترین مثال ہے، نا ممکن ہے کہ اس کا طرز بیان ادھورا اور ناقص ہو۔ اس کا طرز بیان ہمیشہ جامع اور تمام اطراف وجوانب کو سمیٹنے والا ہوتا ہے۔ اگر وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا (اور ان دونوں کی ذریت) میں ضمیر کا مرجع حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحٰقؑ کو قرار دیا جائے تو یہ خوبصورت، جامع اور صحیح تاویل بالکل درہم برہم ہو کر رہ جائے گی۔ اور کوئی دوسری قابل قبول تاویل نظر نہیں آتی۔ کیونکہ اس صورت میں دو ہی شکلیں ممکن ہیں۔ یا تو ذریت سے تم ایک ذریت مراد لو گے یعنی وہ ذریت جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسحٰق علیہما السّلام کے درمیان مشترک ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے بنی اسمٰعیل کے لئے اپنی دعا میں مراد لیا ہے:۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (البقرہ ۱۲۸) اور ہماری ذریت میں سے اپنی ایک فرمانبردار امت بنا۔

یہاں "ہماری ذریت" کے الفاظ سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی ذریت مراد لی ہے کیونکہ حقیقت کے اعتبار سے وہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی ذریت بھی تھی۔ پس اس مفہوم کے اعتبار سے وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا میں جو بات بیان کی گئی ہے وہ صرف حضرت اسحٰقؑ کی ذریت کے لئے مخصوص ہو جائے گی اور جو معنی مقصود ہے وہ کسی

طرح بھی ادا نہ ہو سکے گا۔ بلکہ معاملہ کا اصلی قابلِ ذکر حصہ جو موقع کے اعتبار سے واقعی اہمیت رکھتا ہے، بالکل نظر انداز ہو جائے گا۔ یا دو ذریتیں مراد لوگے۔ پہلی حضرت اسحٰقؑ کی خاص ذریت یعنی حضرت یعقوب اور ان کی نسل عیسو اور ان کی نسل اور دوسری حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی خاص ذریت جس کو اولین درجہ میں ان کی ذریت ہونے کی عزت حاصل ہے یعنی خود حضرت اسمٰعیل و حضرت اسحٰق علیہما السّلام۔ اس صورت میں تمھاری تاویل کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کی خاص ذریت میں کوئی بھی نہیں ہے جو ظالم لنفسہ کا مصداق ہو سکے۔ اب صرف ایک ہی شکل رہ گئی ہے کہ حضرت اسمٰعیل و حضرت اسحٰق علیہما السّلام کی ذریت کو مراد لو اور یہ کہو کہ حضرت اسمٰعیلؑ ہی کی ذریت کو یہاں ذریت ابراہیم سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس ایچ پیچ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس مفہوم کو ظاہر کرنے کے لئے سب سے زیادہ آسان راہ یہ ہے کہ ضمیر کا مرجع حضرت اسمٰعیلؑ کو قرار دیا جائے جس کا ذکر اوپر ہوا ہے اور حضرت اسحٰقؑ کو قرار دیا جائے جن کا ذکر بعد میں آیا ہے اور پھر ان دونوں کا ذکر جا ئے کُنَّا عَلَيْهِ وَعَلٰی إِسْحٰقَ میں ہو چکا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ پس اس تکلف کی مطلق ضرورت باقی نہیں رہتی کہ ذریت اسمٰعیل کو ذریت ابراہیم کے لفظ سے تعبیر کیا جائے یہ ایک صحیح نتیجہ تک غلط راہ سے پہنچنے کی کوشش ہے جو کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ ہم جو بات کہتے ہیں وہ کلام کی ترکیب اور تاویل کے حسن اور اس کی جامعیت کی اعتبار سے نہایت صاف ہے۔ اس کے واضح ہو جانے کے بعد فضول تکلفات کی مطلق ضرورت نہیں رہی۔

گیارہویں دلیل

ذبیح کا نام مذکور نہ ہونا دلیل ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہی ہیں

۳۰۔ کسی شخص کو یہ اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے کہ اگر ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہی تھے تو قرآن نے ان کا نام صراحت کے ساتھ کیوں نہیں لیا۔ کیونکہ یہی اعتراض بعینہٖ خود معترض پر بھی وارد ہو سکتا ہے کہ اگر ذبیح حضرت اسحٰق علیہ السّلام ہی تھے تو ان کا نام صاف صاف کیوں نہیں بتایا، اور پھر لطف یہ ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السّلام کا نام نہ لینے کی تو کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی لیکن حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کا نام نہ لینے کے بہت سے وجوہ ہیں جو پوشیدہ نہیں ہیں اور ہم ان میں سے بعض کی طرف یہاں اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ قرآن مجید کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ایسی باتوں سے ہمیشہ الگ رہتا ہے جو ایک کبھی نہ ختم ہونے والی بحث کا دروازہ کھول دیں۔ اس طرح کی بحثوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حریف بحث وجدال میں اس قدر منہمک ہو جاتا ہے کہ اس کو سامنے کی دلنشیں دلیلوں کی طرف توجہ کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ یہاں صورت حالات یہ تھی کہ یہود نے حضرت اسحٰق کا نام حضرت اسمٰعیلؑ کے نام کی جگہ تورات میں داخل کر دیا تھا اور یہ تحریف پوری قوم کا ایک مضبوط

اور راسخ عقیدہ بن چکی تھی۔ اگر قرآن صاف صاف لفظوں میں اس کے خلاف کہتا تو اس کا نتیجہ صرف یہ ہوتا کہ یہود اپنی تحریفات کو لیکر قرآن کے اس دعویٰ کی تردید کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے اور اس مناظرہ و مجادلہ کے جوش میں قرآن کے اصلی دلائل پر غور کرنے کی ان کو فرصت ہی نصیب نہ ہوتی۔ اس وجہ سے قرآن نے یہ راہ نہیں اختیار کی کیونکہ یہ حکمت کے منافی تھی بلکہ ایک دلنشین اور مؤثر راہ اختیار کی، وہ یہ کہ ان کے سامنے ذبیح سے متعلق صرف اتنی بات پیش کی جتنی ان کے صحیفوں میں موجود تھی اور جو عقلاً بالکل واضح تھی تاکہ اس کے بعد نہ تو ان کے پاس بحث و مناظرہ کے لئے کوئی آڑ باقی رہ جائے اور نہ انکار کے لئے کوئی وجہ۔

اور اہل کتاب سے اس نے جتنا کچھ بھی خطاب کیا ہے اس میں ہمیشہ یہی اصول ملحوظ رکھا ہے کبھی وہ پیغمبر کو مخاطب کرکے حکم دیتا ہے کہ ان سے اعراض کرو، کبھی مسلمانوں کو مخاطب کرکے حکم دیتا ہے کہ اہل کتاب سے جب بحث و گفتگو کی نوبت آئے تو ان سے عمدہ طریقے سے بحث کی جائے، کبھی اہل کتاب کو دعوت دیتا ہے کہ وہ خود اپنی مانی ہوئی باتوں کے بدیہی نتائج تسلیم کرنے سے فرار نہ اختیار کریں۔ ہم یہاں بعض مثالیں نقل کرتے ہیں۔ تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اہل کتاب کو مخاطب کرنے کا اسلوب قرآن مجید میں کیا ہے

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے قرآن کہتا ہے:۔

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ	وہ کلمات کو ان کی جگہوں سے ہٹاتے
مَّوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا	ہیں۔ اور انھوں نے بھلا دیا ایک حصہ
ذُكِّرُوا بِهِ ۚ وَلَا تَزَالُ	اس کا جس سے ان کو یاد دہانی کی گئی۔

تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ
مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا
مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ
وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ
يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ٥
(المائدہ - ۱۳)

اور تم برابر ان کی کسی نہ کسی خیانت
سے آگاہ ہوتے رہوگے، مگر ان میں کے
تھوڑے لوگ ہیں جو اس سے محفوظ ہونگے)
پس ان کو معاف کرو اور ان سے
درگذر کرو، خدا بھلائی کرنے والوں
کو دوست رکھتا ہے۔

اہل کتاب کو مخاطب کرکے کہتا ہے:-

يَآ اَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ
جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ
لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ
تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُوْا
عَنْ كَثِيْرٍ قَدْ جَآءَكُمْ
مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ ٥
(المائدہ - ۱۵)

اے اہل کتاب تمھارے پاس آگیا
ہمارا رسول واضح کرتا ہوا تم پر
بہت سی ایسی باتیں جو کتاب کی
تم چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں
سے وہ درگذر کرتا ہے۔ تمھارے
پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی
اور ایک کھلی ہوئی کتاب آئی۔

دوسری جگہ ہے:-

قُلْ يَآ اَهْلَ الْكِتَابِ
تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ

کہدو کہ اے اہل کتاب! ایک ایسی
بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط (آل عمران - ۶۴)

تمہارے درمیان مشترک ہے۔ وہ یہ کہ ہم نہ اللہ کے سوا کسی کی پرستش کریں، اور نہ اس کا کسی چیز کو ساجھی قرار دیں، اور نہ ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کے سوا رب بنائے۔

ایک جگہ ہے:۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (العنکبوت ۴۶) اور اہل کتاب سے مجادلہ کرو مگر اس طریقہ سے جو اچھا ہے۔

ایک اور جگہ ہے:۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ

اے اہل کتاب! تم کیوں جھگڑتے ہو ابراہیم کے بارہ میں اور نہیں اتاری گئی تورات اور انجیل مگر اس کے بعد کیا تم نہیں سمجھتے۔ تم وہ ہو کہ تم نے جھگڑا کیا ان باتوں میں جن کے بارہ میں تمہارے پاس کوئی علم تھا پس کیوں

بِہٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ٥

(آل عمران۔ ۶۵-۶۶)

جھگڑتے ہو ایسی چیزوں کے بارے میں جن کے متعلق تمہارے پاس کوئی علم نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

قرآن مجید میں یہود سے اس طرح کے خطاب کی مثالیں بہت مل سکتی ہیں اور ان سے یہ امر اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے کبھی ان سے ایسے معاملات پر بحث نہیں کی ہے جن میں ان کا اعتماد ظاہر کتاب پر تھا چنانچہ یہی حکمت مقتضی ہوئی کہ ذبیح کا نام تصریح کے ساتھ نہ لیا جائے۔ البتہ اگر ذبیح حضرت اسحٰقؑ ہوتے تو ان کے نام کو تصریح کے ساتھ ظاہر کرنے سے کوئی شئے مانع نہ تھی۔

۲۔ آباؤ اجداد پر فخر جاہلیت کی خصوصیات میں سے ہے، اسلام نے آدمی کے شرف وکمال کو اس کے ذاتی جوہر اور ذاتی اعمال پر مبنی قرار دیا ہے۔ اس پہلو سے بھی یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا نام تصریح کے ساتھ آنا مناسب نہ ہوا۔ اوپر ذبیح کا واقعہ بیان ہوا تھا، اس کے بعد حضرت اسحٰقؑ کا ذکر آیا ہے اگر اسی ذیل میں تصریح کے ساتھ یہ بات بھی کہہ دی جاتی کہ ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں تو اس کے معنی یہی ہوتے کہ اس تصریح سے مقصود اس امر کا اظہار ہے کہ اس شرف عظیم کے مالک ہم ہی ہیں۔ اسلام کی نظروں میں یہ جذبہ محمود نہیں ہے۔ لیکن جو لوگ حضرت اسحٰقؑ کو ذبیح مانتے ہیں وہ کیا کہیں گے؟ آخر ان کا نام تصریح کے ساتھ نہ لینے کی کیا وجہ

بالخصوص اس وقت تو اس شہادت کی قیمت بہت بڑھ جاتی ہے جب یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ دلائل یہود کی خواہش کے بالکل خلاف اور ان کی تحریف اور کتمان حق کی عام کوششوں کے علی الرغم بچ رہے۔

یہ شبہہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ممکن ہے، قرآن نے قصداً حضرت اسحٰق علیہ السّلام کے ذبیح ہونے کی فضیلت کو حذف کر دیا ہو کیونکہ پورا قرآن انبیائے بنی اسرائیل کے فضائل سے معمور ہے بلکہ تورات میں یہود نے ان مقدس انبیاء پر جو خلاف شان الزامات لگائے ہیں قرآن نے اُن کو ان الزامات سے بری کیا ہے۔ ایسی حالت میں کیونکر ممکن تھا کہ ذبح کی فضیلت حضرت اسحٰق علیہ السّلام کے لئے مخصوص ہوتے ہوئے قرآن اس کے ذکر کرنے میں بخل کرتا۔

بارہویں دلیل

حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السّلام کے حالات سے ایک جامع استدلال

۳۱ ۔ ذبح کا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی سیرت کا ایک ٹکڑا ہے اور

اس کا ایک مخصوص موقع اور مخصوص ماحول ہے جس سے کسی طرح ہم اس کو علیحدہ نہیں کر سکتے۔ اس وجہ سے اس پر غور کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کے ہر پہلو سے اس پر نظر ڈالی جائے تاکوئی پہلو بھی چھوٹنے نہ پائے۔ اگر اس طرح غور کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آجائے گی کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہو سکتے ہیں حضرت اسحٰق علیہ السلام نہیں ہو سکتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات کے مطالعہ سے ان کی سیرت کے دو حصے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک حصہ ان کی دینی سیرت کا ہے جو کمال بندگی و اخلاص سے عبارت ہے اور دوسرا حصہ ان کی دنیاوی سیرت کا ہے جو فیاضی و ہمدردی کی ایک بہترین مثال ہے یہ فرق ہم نے محض باعتبار ظاہر قائم کیا ہے، ورنہ حقیقت کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بہرحال پہلا حصہ ان کے اس دور میں نمایاں ہوتا ہے جس میں انھوں نے مکہ کی طرف ہجرت فرمائی، کعبہ کی تعمیر کی، حج قائم کیا اور وہاں اپنی اولاد کو آباد کیا۔ اور دوسرا حصہ اس دور میں نمایاں ہوتا ہے جب وہ کنعان کے خیمہ میں نظر آتے ہیں، لوگوں کی میزبانی کرتے ہیں اور قوم لوط کی بارہ میں اپنے رب سے مجادلہ کرتے ہیں۔ اب غور کرنیکی بات یہ ہے کہ ذبح کا واقعہ ان کی زندگی کے کس دور سے متعلق ہے۔ پہلے دور سے یا دوسرے دور سے؟ یقیناً پہلے دور سے۔ اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت کا واقعہ اس دوسرے دور سے تعلق رکھتا ہے۔

اس اجمال کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ سمجھ لینا چاہیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو چھوڑ کر ہجرت فرمائی ہے تو ان کی

یہ ہجرت کسی بڑے دینی مقصد کے لئے تھی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:۔

اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ (الصّٰفّٰت) — میں اپنے پروردگار کی طرف جاتا ہوں وہ میری رہبری فرمائے گا۔

اور جب انھوں نے اپنی قوم اور اپنے خاندان کو چھوڑا ہے تو اپنے پروردگار سے دعا کی ہے کہ ان کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے چنانچہ قرآن مجید میں ان کی دعا اپنے ماسبق کے ساتھ یوں مذکور ہے:۔

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (الصّٰفّٰت) — پروردگار مجھے صالح اولاد میں سے بخش۔

پروردگار نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی چنانچہ قرآن مجید نے اس قبولیت کا ذکر اس کے ماسبق کے ساتھ یوں فرمایا:۔

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ۔ (الصّٰفّٰت) — پس ہم نے اس کو ایک حلیم بیٹے کی خوشخبری دی۔

قرآن نے ان باتوں کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کر دیا ہے لیکن تورات میں یہ داستان بہت پھیلی ہوئی ہے۔ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کثیر مقدار میں مال بخشا، خدم و حشم عنایت کئے یہاں تک کہ ان کے اور ان کے بھتیجے حضرت لوطؑ کے مویشیوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہوئی کہ ان کے دیار غربت کی تمام چراگاہیں ان کے لئے تنگ ہوگئیں۔ مجبوراً ان کو الگ الگ ہونا پڑا۔ حضرت لوطؑ

شمال کی طرف گئے اور حضرت ابراہیمؑ جنوب کی طرف بڑھے۔ تورات کی یہ تصریحات قرآن کے مطابق ہیں کیونکہ یہ معلوم ہے کہ لوط علیہ السّلام نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ساتھ ہجرت کی تھی لیکن جب ان کی قوم پر عذاب آیا ہے تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ساتھ نہ تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بہت پہلے الگ ہو گئے تھے۔ اور اس علیحدگی کا واقعہ جس طرح تورات میں بیان ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام جنوب کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی سکونت کے لئے ایک ایسی زمین منتخب کی جو حضرت لوط علیہ السّلام کے مسکن کے مقابلہ میں کم زرخیز تھی۔ نیز اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے سات کنویں کھودے اور اثل کے درخت لگائے (غالباً نخل کے)، یہ تمام باتیں قرآن کے موافق ہیں۔ قرآن نے ان کا مکہ میں آنا اور وہاں اپنی ذریت کو آباد کرنا بیان کیا ہے۔ واقعات کے اس پورے سلسلہ سے یہ بات آپ سے آپ نکلتی ہے کہ حضرت لوط علیہ السّلام کی علیحدگی اور ان کی قوم پر عذاب آنے کے واقعہ میں ایک بڑی مدت کا فاصلہ حائل ہو کیونکہ یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کرتا، جب پیغمبر تبلیغ و دعوت اور اتمام حجت کے تمام جتن کر چکتا ہے لیکن قوم اس کے بعد بھی ہدایت قبول نہیں کرتی تب عذاب آتا ہے۔ پس اس مدت میں حضرت لوط علیہ السّلام برابر اپنی تبلیغ و دعوت کی سرگرمیوں میں مشغول رہے ہوں گے اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام آہستہ آہستہ اپنی ہجرت کی آخری منزل کی طرف بڑھتے رہے ہوں گے۔ یہاں تک کہ اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ وادیٔ مکہ

میں پہنچ گئے۔ وہاں بیت اللہ کی تعمیر کی اور اس کو ذکر و شکر خدا کے حضور ہوئے گذرانے کا مرکز قرار دیا تاکہ جو غربا رجح و زیارت اور دعا کے لئے وہاں آئیں ان کی میزبانی ہو سکے اور اس گھر کی خدمت کے لئے اپنی ذریت کو وہاں آباد کیا۔ اسی زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو بیٹے کی قربانی کا حکم دے کر ان کی جانچ کی۔ وہ اس جانچ میں پورے اترے بیٹے کو قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی قربانی کے عوض اس کو چھڑا لیا۔

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت کا دینی حصہ ہے اور تمام تر مکہ سے متعلق ہے۔ اس کو ذہن میں رکھو۔

باقی رہا ان کی سیرت طیبہ کا دنیاوی حصہ، تو اس کا جلوہ اس وقت نظر آتا ہے جب ہم ان کو حضرت لوطؑ کی بستی سے قریب کنعان کے خیمہ میں پاتے ہیں، جب کہ ملائکہ ان کے پاس آتے ہیں، وہ ان کی میزبانی کا سامان کرتے ہیں اور جب معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ فرشتے ہیں اور قوم لوط کے لئے عذاب لے کر نازل ہوئے ہیں تو دردمندی اور ہمدردی سے مجبور ہو کر اپنے پروردگار سے مجادلہ کرتے ہیں۔ اس وقت فرشتے ان کو حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کی بشارت دیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے ان دونوں حصوں کو نگاہ میں رکھو۔ ایک مرتبہ تم ان کو مکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ نبوت و امامت کے مہمات میں مشغول پاتے ہو، وہ بیٹے کو ساتھ لے کر بیت اللہ کی تعمیر کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، طواف

کرتے ہیں، لوگوں میں حج کی منادی کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کے پاس آئیں اور مناسک حج اور دین فطرت کی تعلیم حاصل کریں۔

پھر تم ان کو کنعان میں ان کی بدوی ریاست کے اندر دیکھتے ہو، اللہ تعالیٰ نے ان کو مال و جاہ بخشا ہے، وہ مہمانوں کی میزبانی کرتے ہیں، غریبوں کی ہمدردی کرتے ہیں۔

واقعات کے یہ دو سلسلے ہیں، اب غور کرو کہ قربانی کا واقعہ کس سلسلہ کی کڑی ہو سکتا ہے؟ لیکن اس سوال کا جواب دینے سے پہلے چند امور پیش نظر رکھ لینا نہایت ضروری ہے۔

۱۔ قربانی کے واقعہ کو بیت اللہ، مقام قربانی اور مرکز نماز سے علیحدہ نہیں ہونا چاہئے۔

۲۔ جس ذبیح کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربان کیا ضروری ہے کہ وہی بیت اللہ کا خادم اور اس کے جوار کا بسنے والا ہو۔

۳۔ اس گھر اور اس قربانگاہ کے لئے ضروری ہے کہ یہ خدا کی تعظیم اور اس کی بندگی کے سب سے بڑے مرکز قرار پائیں۔

۴۔ اس قربانی اور ان تمام شعائر کو اگر اللہ تعالیٰ نے قبولیت کی عزت بخشی تو ضروری ہے کہ یہ ہمیشہ باقی رہیں۔

۵۔ پھر یہ بھی لازمی ہے کہ اس گھر کو اللہ تعالیٰ دشمنوں کی چالوں سے محفوظ رکھے۔

اب دیکھو کہ قرآن نے ان تمام باتوں کو کس طرح بیان کیا ہے ؟

۱۔ قرآن کا بیان ہے کہ بیت اللہ پہلا گھر ہے جو لوگوں کے لئے اطاعت و عبادت الٰہی کا مرکز بنایا گیا، اس کا حج فرض کیا گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو حکم دیا گیا کہ وہ لوگوں میں اس حج کی منادی کر دیں۔

۲۔ قرآن کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السّلام اس گھر کے معمار اور خادم بنے

۳۔ قرآن کا بیان ہے کہ صفا اور مروہ شعائر اللہ میں داخل ہیں اور قربانگاہ بیت اللہ کے پاس ہے۔

۴۔ قرآن کا بیان ہے کہ بیت اللہ کا حج اور اس کے پاس قربانی کرنا ایک ابدی سنت ہے اور یہ سنت ہمیشہ قائم رہے گی، اللہ تعالیٰ نے اس کو ذبح عظیم قرار دیا ہے۔

۵۔ قرآن کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دعا کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو دشمنوں کی چالوں سے محفوظ کیا ہے۔

یہ پانچ نہایت اہم اور اصولی باتیں ہیں جو واقعۂ ذبح سے متعلق اور باہم گر ایک زنجیر کی مختلف کڑیوں کی طرح وابستہ ہیں۔ جو شخص ان باتوں پر پوری طرح غور کرے گا اس کو اس امر میں ذرہ برابر بھی شبہہ باقی نہ رہے گا کہ ذبیح صرف حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام ہی ہو سکتے ہیں۔ ان کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا اور اگر ہمارے دعویٰ کو مبالغہ پر

محمول نہ کیا جائے تو ہم یہاں تک کہہ سکتے ہیں کہ ان باتوں میں سے ہر بات الگ الگ بھی حضرت اسماعیل علیہ السّلام کے ذبیح ہونے کی اپنے اندر کافی شہادت رکھتی ہے۔ اس لئے کہ جزء سے کل پر اور کل کے باقی اجزاء پر استدلال کرنا ایک نہایت ہی معروف اور مشہور اصل ہے، چنانچہ اگلے علماء نے بھی اس سے استدلال کیا ہے فصل ۳۹ میں جہاں ہم ان کے اقوال بیان کریں گے وہاں اس کا ذکر کریں گے۔ اقوال کے ضمن میں آپ کو ابوعمرو بن العلاءؒ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول نہایت ہی بلیغ و لطیف ملے گا۔

یہ دلیل جو اوپر ہم نے بیان کی ہے، یہ جامع دلائل کے قسم میں داخل ہے۔ اس میں استدلال کا ڈھب یہ ہے کہ ایک دعویٰ پر دلیل لانے والے مختلف امور کو ایک نقطہ کے اردگرد جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اصل مقصد یہ ان سے جملۃً و انفراداً دونوں طریق سے استدلال کیا گیا ہے۔

اس تمام تفصیل سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی کہ چونکہ یہ امور حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کے ذبیح ہونے اور بعض دوسرے حقائق کو جن پر یہود نے پردے ڈال رکھے تھے، پوری طرح بے نقاب کر رہے تھے اس لئے قرآن نے اس معاملہ کو، ان مصالح کی بنا پر جو اٹھارھویں فصل میں بیان ہوئے تفصیل و تصریح کے ساتھ بیان کرنے کا اہتمام نہیں کیا۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ کے ذیل میں تمام امور کی طرح اشارہ کر دیا تھا، ہم نے ان کو تفصیل کا رنگ دے دیا ہے۔

علاوہ ازیں قرآن نے بعض حقائق کی طرف بطریق تردید اشارے کئے ہیں۔ ہم

اگلی فصل میں ان کو روشنی میں لانا چاہتے ہیں۔

تیرہویں دلیل

یہود کی تحریفات اور ان کی تردید

۳۲۔ پچھلی فصل میں وہ تمام امور بیان ہوئے ہیں جو حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام، مکہ مکرمہ اور تعمیر بیت اللہ نیز اس کے جوار میں ذریت ابراہیمؑ کی سکونت اور اس کے قربان گاہ اور مرکز ہونے سے متعلق نہایت اہم تھے، اور جن کا اظہار و بیان مناسب تھا۔ ان کی روشنی میں یہ بالکل واضح ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہی ہیں۔ اب اس فصل میں ہم دکھانا چاہتے ہیں کہ ان معاملات میں اصل حقیقت کو چھپانے کے لئے یہود نے تحریف و تغیر کے کیا کیا جامے تراشے اور بالآخر قرآن نے ان تمام پردوں کو کس طرح چاک کر کے اصل حقیقت کو بے نقاب کیا۔

یہود کی یہی شرارتیں تھیں جن کی طرف قرآن نے جابجا اشارے کئے ہیں۔ مثلاً:۔

يَآَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ	اے اہل کتاب کیوں اللہ کی آیتوں
تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم ان سے
وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ	باخبر ہو۔ اے اہل کتاب! کیوں

يَآاَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ	حق کو باطل کے ساتھ گڈ مڈ کرتے
بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ	ہو اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ
وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ہ (آل عمران - ۷۱)	تم جانتے ہو ۔

دوسری جگہ فرمایا :-

يَآاَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَآءَكُمْ	اے اہل کتاب آچکا ہے تمھارے
رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا	پاس ہمارا رسول کھولتا ہے وہ
مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتَابِ	بہت سی باتیں جو تم کتاب میں سے
وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ قَدْ جَآءَكُمْ	چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگذر
مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ ہ	کرتا ہے آچکی ہے تمھارے پاس اللہ کے
(المائدہ - ۱۵)	پاس سے روشنی اور ایک واضح کتاب ۔

اس مضمون کی آیتیں بہت ہیں ۔

یہاں ہم صرف سادہ طور پر دلائل کو بیان کر دینے پر قناعت نہیں کرنا چاہتے بلکہ یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ قرآن نے خود یہود سے اس مسئلہ پر کس انداز سے مناظرہ کیا ہے اور ان کی حق پوشی پر ان کو کس طرح تنبیہ فرمائی ہے ۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ یہ امور قرآن کی نگاہوں میں کتنے اہم ہیں اور یہود نے حسد اور دشمنی کے سبب سے ان پر پردہ ڈال کر کتنی سخت و شدید تحریف کا ارتکاب کیا ہے ۔

یہود نے اس مسئلہ میں حق کو چھپانے کی جو راہیں اختیار کی ہیں، ویسے تو وہ بہت سی

ہیں لیکن ان میں سے پانچ نہایت اہم ہیں۔ ہم بحث کے غیر ضروری پھیلاؤ سے بچنے کے لئے ان ہی پانچ کا ذکر کریں گے اور ساتھ ہی واضح کریں گے کہ قرآن نے اپنے عجیب و غریب نظم اور اپنے لطیف طریق استدلال سے کس طرح ان غلطیوں کی تردید کر دی ہے کہ اصل حقیقت بھی بے پردہ ہو کر سامنے آگئی ہے اور جَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ کا اصول بھی پورے اہتمام کے ساتھ ملحوظ رہا ہے۔

۱۔ سب سے پہلے یہود نے یہ کیا کہ بیت اللہ کو — جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیلؑ کو ساتھ لے کر بنایا، جو لوگوں کا مرکز قرار پایا، جو حج و نماز کا مخصوص مقام ہوا — یہود نے اپنے ہاں سے بالکل ہی غائب کر دیا۔ تورات میں لکھا ہے کہ ابراہیمؑ نے بیت اللہ کے پورب جانب سکونت اختیار کی، وہاں ایک قربان گاہ بنائی اور اللہ سے دعا کی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہود نے یہ دعویٰ شروع کر دیا کہ یہ "بیت اللہ" وہی ہے جو ان کے ہاں ہے، حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کے بیت اللہ کی تعمیر حضرت سلیمانؑ نے کرائی ہے، اس کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں نہیں ہوئی ہے۔ قرآن مجید نے ان کے اس دعویٰ کی تردید کی:۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ	بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لئے
لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا	بنایا گیا وہ ہے جو بکہ میں ہے سرچشمۂ
وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ۝ فِيهِ	برکت اور لوگوں کے لئے ہدایت
آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ	اس میں واضح نشانیاں ہیں ابراہیمؑ کے

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ
وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ
مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ
وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ
عَنِ الْعٰلَمِيْنَ قُلْ يٰٓاَهْلَ
الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ
عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۝ قُلْ
يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ
تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ
شُهَدَآءُ ۝ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ
عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

(آل عمران - ۹۷ - ۹۹)

قیام کی جگہ اور جو اس میں داخل
ہوا امن ہوا ۔ اور اللہ کے لئے
لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے
جو وہاں پہنچنے کی طاقت پائے اور
جس نے انکار کیا تو اللہ دنیا والوں
سے بے پروا ہے۔ کہو اے اہل
کتاب اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار
کرتے ہو اور اللہ تمہارے کاموں پر
شاہد ہے۔ کہو اے اہل کتاب کیوں
روکتے ہو اللہ کی راہ سے ان کو جو
ایمان لائے، خدا کی راہ میں کجی
پیدا کرنا چاہتے ہو حالانکہ تم
گواہ ہو اور اللہ تمہارے کاموں
سے غافل نہیں ہے۔

یہاں نہایت قطعی دلائل سے قرآن مجید نے ثابت کیا ہو کہ حضرت ابراہیمؑ کا تعمیر کردہ بیت اللہ بکّہ کا بیت اللہ ہے۔ اسی کو انھوں نے تعمیر کیا اور اسی کے پاس کھڑے ہو کر لوگوں کے لئے برکت و امن کی اور اس گھر کے لئے محبوبیت و جاذبیت قلوب کی دعا فرمائی۔ چنانچہ یہ دعا

قبول ہوئی اور اس کے آثار اس کے چپہ چپہ سے ہویدا ہیں۔

یہاں استدلال کا جو ڈھب قرآن نے اختیار کیا ہے اس کو سادہ لفظوں میں یوں سمجھنا چاہئیے کہ بیت اللہ کی تین صفتوں پر قرآن نے تین دلیلوں سے حجت قائم کی ہے۔

بیت اللہ کی اولیت پر اس امر سے دلیل پیش کی ہے کہ وہ بالاتفاق حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مسکن ہے۔

اس کے سرچشمۂ خیر و برکت ہونے پر اس امر سے دلیل پیش کی ہے کہ باوجودیکہ اس کے جوار کے باشندے بڑے جنگ جو تھے تاہم وہ ہر دور میں سب کے نزدیک مامون و محترم رہا۔

اس کے سرچشمۂ ہدایت ہونے پر اس امر سے استدلال کیا کہ اس کا حج فرض ہوا اور یہ تاریخ کی ایک عجیب حقیقت ہے کہ باوجود شرک کے غلبہ کے عربوں میں اللہ واحد کا ذکر کسی نہ کسی شکل میں ضرور باقی رہا۔

اس کے بعد اہل کتاب کے کفر و انکار پر تنبیہ فرمائی ہے، نیز بلد کا ذکر بکہ کے لفظ سے کیا جس کے معنی بلدہ کے ہیں اور یہی لفظ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ اس طرح وہ تحریف آپ سے آپ بے نقاب ہوگئی جو مزمور ۸۴ میں ملتی ہے، جہاں انھوں نے بکہ کو وادی بکا لکھ دیا ہے۔

۲- اسی طرح یہود اس مشہور قربانگاہ کو جہاں حضرت ابراہیمؑ نے قربانی کی، اپنے ہاں بیت المقدس کے پاس بتاتے ہیں۔ اس باب میں انھوں نے جو تحریفیں کی ہیں وہ آٹھویں فصل میں بیان ہو چکی ہیں، اور ہم نے ناقابل تردید دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ

جو مروہ کعبہ کے پاس ہے وہی ابراہیمی قربان گاہ ہے۔ اس اخفائے حق سے یہود کا مقصود یہ تھا کہ اس قربانی کی نسبت سے حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی ذریت کے لئے ایک دائمی عزت وعظمت اور ابدی امامت وسیادت دینی کی جو وراثت محفوظ ہو رہی ہے اس کو چھین لیں لیکن قرآن نے یہ تمام اسرار بے نقاب کر دیئے چنانچہ جس وقت مسلمانوں کو ابراہیمی قبلہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا اور یہود نے جوشِ حسد میں اس پر نکتہ چینی کی تو ایک طرف تو قرآن نے مسلمانوں کو مطمئن کیا اور دوسری طرف یہود کو نہایت سخت الفاظ میں تنبیہ فرمائی:-

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ	چنانچہ بھیجا ہم نے تمہارے اندر ایک
رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ	رسول تم ہی میں سے سناتا ہے تم کو
اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ	ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے
وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ	اور شریعت اور حکمت کی تعلیم دیتا
مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝	ہے اور تمہیں وہ چیز سکھاتا ہے جو
فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ	تم نہیں جانتے تھے پس مجھکو یاد رکھو
وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝	میں تم کو یاد رکھوں گا۔ اور میری
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا	شکر گزاری کرو، نافرمانی نہ کرو۔
بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ	اے ایمان والو امداد چاہو صبر اور نماز
مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَا تَقُوْلُوْا	کے ذریعہ بیشک اللہ ثابت قدموں

لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	کے ساتھ ہے اور جو اللہ کی راہ میں
اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ	قتل ہوتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ
لَّا تَشْعُرُوْنَ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ	وہ زندہ ہیں لیکن تم احساس نہیں
بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ	کرتے اور ہم تم کو آزمائیں گے کسی قدر
وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ	خوف، بھوک اور مالوں، جانوں
وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ	اور پھلوں کی کمی سے اور خوشخبری
وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ	دو ان ثابت قدموں کو جن کو اگر
اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ	کوئی دکھ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں ہم
قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ	اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہم کو اسی
رٰجِعُوْنَ ؕ اُولٰۗىِٕكَ	کی طرف لوٹنا ہے۔ وہی ہیں کہ جن پہ
عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ	ان کے پروردگار کی جانب سے
وَرَحْمَةٌ وَاُولٰۗىِٕكَ	برکتیں اور رحمت ہے اور وہی
هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ اِنَّ	لوگ راہ یاب ہیں۔ صفا اور مروہ
الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ	اللہ کے شعائر میں سے ہیں پس جو حج
شَعَاۗىِٕرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ	کرے یا عمرہ کرے اس پر کچھ حرج
الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا	نہیں کہ ان دونوں کا طواف
جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ	کرے (صفا اور مروہ پر زمانہ جاہلیت

بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا
فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ۝
إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا
أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى
مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ
لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ أُولٰٓئِكَ
يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ
اللّٰعِنُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ
تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا
فَأُولٰٓئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ
وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

. . . .
. . . .
. . . .
. . . .
. . . .

(البقرہ ۱۵۸ ۔ ۱۶۰)

میں دو بت رکھے ہوئے تھے اور
گویا سعی کے وقت ان ہی کی تعظیم
پیش نظر ہوتی تھی، مسلمان اس کی
وجہ سے کھٹکے تو اللہ تعالیٰ نے واضح
فرما دیا کہ یہ ذکر و شکر کے مقامات
میں سے ہیں اس لئے شعائر اللہ میں
داخل ہیں اور ان کے طواف میں
مضائقہ نہیں) اور جس نے راضی
خوشی مزید نیکی کی تو اللہ قبول
کرنے والا اور جاننے والا ہے۔ جو
لوگ چھپاتے ہیں ان کھلی کھلی دلیلوں
کو جو ہم نے اتاری ہیں اور ہدایت
کو بعد اس کے کہ ہم نے اس کو کھول دیا
لوگوں کے لئے کتاب میں، وہی ہیں
جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت
کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔ مگر
اِلا جنھوں نے توبہ کی اور اپنی اص

[illegible]

ان آیات کے دقیق و لطیف نظم پر اگر غور کرو گے تو تمہارے سامنے پانچ باتیں نہایت عمدہ ترتیب کے ساتھ آئیں گی :-

۱- پہلے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر ہے جو ٹھیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور ان کی بیان کردہ صفات کے مطابق ہے۔

۲- پھر اس دین حنیفی کی اصل و اساس کا ذکر ہے جس کے آپ داعی تھے۔ یعنی ذکر، شکر، صبر، اور نماز۔

۳- اس کے بعد اس برکت و رحمت کی بشارت ہے جو اس کے پیروؤں کے لئے مخصوص ہے۔

۴- بعد ازاں صفا اور مروہ کا ذکر آتا ہے جن کے درمیان حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کے ساتھ فدویت و جانبازی کے جوش سے معمور ہو کر سعی فرمائی اور جہاں عزیز لخت جگر کو قربان کر کے ہمیشہ کے لئے صبر و نماز اور ذکر و شکر کی یادگار قائم کردی اور جس کے شرف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پہاڑیوں کو اپنے قابل تعظیم شعائر میں شمار فرمایا۔

۵- پھر سب سے آخر میں ان لوگوں کو ملامت فرمائی ہے جنہوں نے ان مقامات کا ذکر اپنے صحیفوں سے بربنائے حسد غائب کر دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے نہایت وضاحت کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا تھا۔

جو لوگ یہود و نصاریٰ کے حالات سے واقف اور ان کی ان کوششوں سے باخبر

ہیں جو انھوں نے مقام مروہ کو گم کر دینے کے لئے صرف کی ہیں اور جن کی تفصیلات ہم کتاب کی آٹھویں فصل میں پیش کر چکے ہیں وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس امر میں متردد نہ ہوں گے کہ یہاں یہود کی انہی تحریفات کی طرف اشارہ ہے جو انھوں نے حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی ذریت کی دشمنی میں مروہ کے نام، اس کے املا اور اس کے مقام کی تعیین میں کی ہیں۔ اس آیت میں ان کی انہی تحریفات کی نہایت لطیف انداز میں تردید ہے۔

۳۔ تیسرا عظیم الشان فتنہ وہ قصہ ہے جو انھوں نے حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ کے اخراج سے متعلق گڑھا کہ چونکہ حضرت سارہ حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ سے نفرت کرتی تھیں، ان کی خواہش یہ تھی کہ حضرت اسمٰعیلؑ حضرت اسحٰقؑ کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کی وراثت میں شریک نہ ہوں، اس لئے حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ اور اُن کی والدہ کو فاران کے بیابان کی طرف نکالدیا۔ حالانکہ یہ واقعہ جس صورت میں ان کے صحیفوں میں بیان ہوا ہے اس میں اس قدر کھلا ہوا تضاد موجود ہے کہ ہر صاحب نظر اس کو بالکل لغو قصہ خیال کرنے پر مجبور ہے اور اس زمانہ میں تو خود ان کے اپنے اندر کے بہت سے ناقدین نے اس کی لغویت کا اعتراف کر لیا ہے۔

قرآن مجید نے اس واقعہ کی تردید کے لئے اس امر کی تصریح فرمائی کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو بیت اللہ کے جوار میں بسایا تو وہاں ان کو بسانے کا مقصد یہ تھا کہ وہ حج اور نماز قائم کریں —— چنانچہ فرمایا:۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ — اے ہمارے رب میں نے اپنی بعض

ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ	ذریت کو ایک وادی غیر ذی زرع
عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا	میں تیرے محترم گھر کے پاس بسایا
لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ	ہے اے ہمارے رب! تاکہ یہ
أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ	نماز قائم کریں، پس تو لوگوں کے
تَهْوِيْ إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ	دل ان کی طرف مائل کردے
مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ	اور ان کو پھلوں کی روزی عنایت
يَشْكُرُوْنَ (ابراہیم ۳۷)	کرتا کہ یہ تیرے شکر گزار رہیں۔

پھر اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے جہاں تحویل قبلہ کے بارے میں اہل کتاب کے اعتراضات کی تردید کی ہے۔ اس مقام پر صاف کھول دیا ہے کہ بیت اللہ کے پاس حضرت اسمٰعیلؑ کے بسانے کا مقصد کیا تھا۔ یہود جس واقعہ کو اس لئے بیان کرتے ہیں کہ اس سے حضرت اسمٰعیلؑ کی منقصت لازم آئے، قرآن اسی واقعہ کو حضرت اسمٰعیلؑ کے لازوال شرف کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ فاران میں ان کا آنا اس لئے تھا کہ بیت اللہ کی تعمیر میں اپنے باپ کے شریک اور اس کے مقاصد و اغراض کے قیام و اہتمام میں ان کے خلیفہ ہوں اور خدا کے مقدس گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجدہ کرنیوالوں کے لئے شرک کی نجاستوں سے پاک رکھیں، فرمایا:۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا	اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت
نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ	کو یاد رکھو جو میں نے تم کو بخشی اور

عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ
عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا
لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ
شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا
تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝
وَاِذِ ابْتَلٰى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ
بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ
اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا
قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ قَالَ لَا
يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ۝
وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً
لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَاتَّخِذُوْا
مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ
مُصَلًّى وَعَهِدْنَا اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ
وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ
لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ
وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاِذْ قَالَ

میں نے تم کو برتری دی لوگوں پر!
اور اس دن سے ڈرو جس دن
کوئی جان کسی دوسری جان کے
کام نہ آئے گی اور نہ اس کی طرف
سے کوئی معاوضہ قبول ہوگا اور نہ
کسی کی سفارش سے کچھ فائدہ
ہوگا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائیگی۔
اور جب کہ جانچا ابراہیم کو اس کے
پروردگار نے چند باتوں میں پس
اس نے وہ پوری کر دیں تو اس نے
کہا میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤنگا۔
پوچھا اور میری اولاد میں سے !
کہا میرا عہد ظالموں کو شامل نہیں ہے
اور جب کہ ہم نے بنایا بیت اللہ کو
لوگوں کے لئے مرجع اور امن کا مقام
اور کہا ابراہیم کے جائے قیام کو
نماز کی جگہ قرار دو اور ابراہیم

إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا
بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ
مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ
مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ
قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ
عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ
الْمَصِيرُ وَإِذْ يَرْفَعُ
إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ
الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا
تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ
السَّمِيعُ الْعَلِيمُ رَبَّنَا
وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ
وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً
مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا
مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ج
إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

و اسمٰعیل کو حکم دیا کہ میرے گھر کو طواف
کرنیوالوں اعتکاف کرنیوالوں اور
رکوع سجدہ کرنیوالوں کے لئے پاک کرو
اور جب کہ ابراہیم نے دعا کی اے
پروردگار اس کو امن کا شہر بنا
اور اس کے بسنے والوں کو جو اللہ اور
یوم آخرت پر ایمان لائیں پھلوں کی
روزی دے کہا اور جو کفر کریں گے
کچھ دن میں ان کو بھی فائدہ اٹھانے کی
فرصت دونگا پھر ان کو دوزخ کے
عذاب کی طرف دھکیلونگا اور وہ
برا ٹھکانا ہے اور جب کہ ابراہیم
اٹھا رہے تھے بیت اللہ کی بنیادیں
اور اسمٰعیل اور دعا کر رہے تھے ہمارے
پروردگار ہماری دعا قبول فرما تو ہی
سننے جاننے والا ہے پروردگار ہمارے
ہم کو اپنا فرمانبردار اور ہماری

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ
رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا
عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ط
إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝
وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ
إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ
نَفْسَهُ ط وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ
فِي الدُّنْيَا ۚ وَإِنَّهُ
فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ
الصَّالِحِينَ ۝ إِذْ قَالَ
لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ لا
قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ
الْعَالَمِينَ ۝ وَوَصَّىٰ بِهَا
إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ ط
يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ
لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ

ذریت میں سے اپنی ایک فرمانبردار
امت اٹھا اور سکھا ہم کو ہماری عبادت
کے طریقے اور ہماری توبہ قبول فرما
بے شک تو توبہ قبول کرنیوالا مہربان
ہے۔ اے ہمارے پروردگار اور اٹھا
ان میں ایک رسول ان ہی میں سے
سنائے ان کو تیری آیتیں اور سکھائے
ان کو شریعت و حکمت اور ان کو پاک
کرے، بیشک تو غالب حکمت والا ہے
اور کون ہے جو ابراہیم کے طریقہ سے
انحراف کرے مگر وہ جس کی عقل ماری
گئی ہو اور ہم نے اس کو برگزیدہ
کیا دنیا میں اور وہ آخرت میں نیکوں
کے زمرہ میں ہوگا جبکہ کہا اس سے
اس کے پروردگار نے سرفگندہ ہو جاؤ
کہا اس نے میں سرفگندہ ہوا عالم کے
پروردگار کے حضور اور اسی کی وصیت

إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ۝ أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي ۖ قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

(البقرہ۔ ۱۳۲-۱۳۴)

کی ابرہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے کہ اے میرے بیٹو بیشک اللہ تعالیٰ نے چنا ہے تمہارے لئے دین کو پس نہ مرو مگر مسلم۔ کیا تم موجود تھے جب یعقوب کی موت کا وقت آیا جبکہ اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا میرے بعد کس کی عبادت کروگے۔ انھوں نے جواب دیا ہم آپ کے معبود اور آپ کے بزرگوں ابراہیم اسمٰعیل اور اسحٰق کے معبود، معبود واحد کی پوجا کریں گے۔ اور اسی کے فرمانبردار رہیں گے۔ یہ ایک امت تھی جو گذر گئی، اس کے لئے ہے جو اس نے کمایا اور تمہارے لئے ہے جو تم نے کمایا اور تم سے ان کے کاموں کی بابت سوال نہ ہوگا۔

یہود کی تردید کا یہ سلسلہ لمبا ہے اور مختلف پہلوؤں سے ان پر مختلف باتیں جو

ان کے اپنے اعترافات اور ان کے اپنے صحیفوں کے بیانات کی روشنی میں عائد کی گئی ہیں۔ اس فن ہم سب کی تفصیل میں پڑنا نہیں چاہتے۔ ہم نے صرف اتنے حصّہ کو لیا ہے جس کے دلائل کی موجودگی میں ان کے لئے ملّت ابراہیمؑ کی پیروی ضروری ہے۔ ساتھ ہی مرکز ملّت ابراہیمیؑ اور اس کے مناسک و مراسم، حضرت اسمٰعیلؑ کا تقدم، باپ کے ساتھ امامتِ عامہ میں ان کی شرکت، نیز بیت اللہ کے جوار میں ان کی سکونت کی اصلی غرض اور یہود کے من گھڑت قصۂ اخراج کی تردید وغیرہ امور بھی سامنے آگئے ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ تعجب ان لوگوں کے حال پر ہے جنھوں نے یہ بیہودہ افسانہ یہود کی زبانی سن کر اس کو سچ باور کر لیا اور پھر اس کو سعی صفا و مروہ کے اسباب کے سلسلہ میں ایک مصدق و مسلم روایت کی حیثیت سے بیان کر دیا۔

قرآن نے مسلمانوں کو اسی خطرہ سے آگاہ فرمایا تھا:

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ	اور اہل کتاب کے ایک گروہ کی
أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ	تمنا یہ ہے کہ وہ کسی طرح تم کو
وَمَا يُضِلُّوْنَ إِلَّآ أَنْفُسَهُمْ	بھٹکا دیں، اور وہ نہیں بھٹکاتے
وَمَا يَشْعُرُوْنَ ٥	ہیں مگر اپنے آپ کو۔ لیکن وہ اس
(آل عمران - ۶۹)	بات کو محسوس نہیں کرتے۔

۴۔ اس طرح کی ایک تحریف یہ بھی تھی کہ یہود نے ذبح کے واقعہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کے نام کی جگہ حضرت اسحٰقؑ کا نام ڈال دیا۔ حالانکہ خود تورات سے اس امر کی

علانیہ تردید ہوتی ہے اور پہلے باب میں ہم اس پر وضاحت کے ساتھ بحث کر چکے ہیں۔ قرآن مجید نے اس تحریف کی تردید کے لئے صرف یہ کیا کہ اصل واقعہ ٹھیک ٹھیک اسکی صحیح ترتیب کے ساتھ بیان کر دیا اور اسی لپیٹ میں متعدد دلائل اس امر کے بیان کر دیئے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہی ہو سکتے ہیں، حضرت اسحٰقؑ نہیں ہو سکتے۔

اگر قرآن یہود کی اس تحریف کی تردید نہ کرنا چاہتا تو نہ تو خود اس کا بیان یہود کے بیان کے خلاف ہوتا اور نہ ذبیح کی بشارت حضرت اسحٰقؑ کی بشارت پر مقدم ہوتی بلکہ قصہ کی ترتیب یوں ہوتی کہ حضرت اسحٰقؑ کا نام ابتداء بشارت میں آتا۔

علاوہ ازیں آیت:-

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ	اور ان دونوں کی ذریت میں کچھ نکوکار
وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ	اور کچھ اپنے اوپر علانیہ ظلم کرنیوالے ہیں

بھی اس باب میں رہنمائی کے لئے اپنے اندر بعض دلائل پوشیدہ رکھتی ہے۔ یہود نے حسد اور اخفائے حق کی جو روش اختیار کی اس کی طرف اس آیت میں ایک لطیف اشارہ موجود ہے۔ اس میں "ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ" کا لفظ قابل غور ہے۔ ظلم سے قرآن مجید میں جس طرح شرک مراد لیا گیا ہے، اسی طرح آیات الٰہی کا انکار، اللہ تعالیٰ پر بہتان یا اخفائے حق وغیرہ بھی مراد لیا گیا ہے۔ جو لوگ اس لفظ کے سیاق و سباق اور قرآن مجید میں اس کے مواقع استعمال کی چھان بین کریں گے وہ ہمارے اس دعویٰ کی تائید کریں گے۔

"ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ" لفظ کے ظاہری معنی کے لحاظ سے تو وہ شخص ہو سکتا ہے جو خود اپنے ہی ہاتھوں اپنے آپ کو نقصان پہنچائے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ اس شخص کے لئے بھی استعمال ہوا ہے جس کے سامنے ایک بہتر چیز پیش کی جائے لیکن وہ اس کو قبول نہ کرے بلکہ بدبختانہ اس کو رد کر دے۔ اسی طرح بعض مواقع میں ایسے لوگوں کے لئے استعمال ہوا ہے جو بلا کسی وجہ کے دوسروں کو نقصان پہنچانا چاہیں لیکن وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکیں اور ان کا اقدام الٹا خود ان کے خلاف پڑے۔ یہود نے اپنی بدبختی کی وجہ سے ظلم کی یہ تمام قسمیں اپنی زندگی میں جمع کر لی تھیں۔ قرآن مجید نے جابجا اس کا ذکر فرمایا ہے۔ اس مقام پر موقع کی خصوصیات کے لحاظ سے۔ اس کا مطلب بالکل واضح ہے۔ اس کا تعلق بنی اسمٰعیل اور بنی اسحٰق دونوں سے ہوگا۔ بنی اسمٰعیل کا ظلم تو یہ ہے کہ باوجودیکہ وہ اس شخص کی ذریت میں سے تھے جس نے اپنی جان اللہ واحد کے حوالہ کر دی تھی

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ	پس جب دونوں خدا کی اطاعت میں
لِلْجَبِيْنِ ۔ . . .	سرفگندہ ہو گئے اور اس کو پیشانی
. . . . . .	کے بل پچھاڑ دیا۔

اور اس گھر کے وارث تھے جو توحید اور خدا پرستی کا مرکز تھا تاہم وہ شرک میں مبتلا ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اپنے نفس پر کوئی اور ظلم نہیں ہو سکتا۔ بنی اسحٰق کا ظلم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ نبی امی پر ایمان لائیں گے تو ان کے لئے برکتوں اور رحمتوں کے دروازے کھل جائیں گے۔ مگر انھوں نے اس وعدہ کی قدر نہ کی اور

حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی ذریت پر حسد کی وجہ سے وہ تمام شہادتیں انھوں نے چھپا دیں جو ان کے پاس موجود تھیں جس کی وجہ سے نہ صرف تمام موجودہ برکتوں سے وہ محروم رہے بلکہ اس کا پورا پورا وبال ان پر آیا اور یہ بڑے سے بڑا ظلم تھا جو وہ اپنے آپ پر کر سکتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے:۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ — اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ

شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ — کی کسی شہادت کو جو ان کے پاس ہو چھپائیں

ذبح کے واقعہ کے بعد اس آیت کا آنا چاہتا ہے کہ یہ موقع کے مناسب اشارہ سے خالی نہ رہے، پس ہم نے جو بات کہی ہے وہ کسی طرح سیاق و سباق سے بے تعلق نہیں کہی جا سکتی ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو اسرار و حقائق رکھے ہیں ان کا احاطہ اس کے سوا اور کون کر سکتا ہے؟

۵۔ اللہ تعالیٰ نے جب ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کے امتحان میں جانچا اور اس میں وہ پورے اترے، تو ان کو برکت دی۔ اور اس برکت کا پہلا ظہور اس طرح ہوا کہ حضرت سارہ بھی اولاد کی نعمت سے سرفراز ہوئیں اور ان کے بطن سے ایک بیٹے کی ولادت کی خوشخبری نازل ہوئی۔ پس حضرت اسحٰقؑ کی ولادت درحقیقت حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کی برکتوں میں سے ایک برکت ہے۔ تورات میں اس کے اشارات موجود ہیں۔ ہر چند یہود نے اس پر تحریف کے پردے ڈال دیے ہیں لیکن صاحب نظر سے حقیقت پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ ہم نے گیارہویں فصل میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

ایک ایسی بات جو تحریف و کتمان کے اتنے پردوں کے اندر سے بھی اس قدر صاف جھلک رہی تھی، توضیح کی محتاج نہ تھی اس وجہ سے قرآن نے اس کو کر دینا پسند نہیں کیا، البتہ واقعہ کو اس کی صحیح ترتیب کے ساتھ پیش کر دیا کیونکہ اس کو صحیح ترتیب کے ساتھ پیش کر دینا ہی تمام غلط دعاوی کی تردید کے لئے کافی تھا چنانچہ پہلے قربانی کا واقعہ بیان کیا، پھر حضرت ابراہیمؑ پر سلامتی کا ذکر فرمایا، پھر اسی سے متصل یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی خوشخبری دی۔ اب جو شخص کلام کے نظم پر غور کرے گا اور اس بارہ میں تورات کے بیان سے بھی واقف ہو گا، وہ اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ اس واقعہ کی ترتیب سے وہی بات ثابت ہوتی ہے جو ہم گیارہویں فصل میں بیان کر آئے ہیں۔ یعنی حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کا ثمرہ ہے۔

آیت "وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً" میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیلؑ کے بارہ میں حضرت ابراہیمؑ کی دعا قبول فرمائی اور جب انھوں نے حضرت اسمٰعیلؑ کو حکم الٰہی کی تعمیل میں قربان کر دیا، تو ان کو حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ بطور فضل مزید کے عنایت ہوئے۔ یہ اشارہ نہایت لطیف ہے۔ بیسویں فصل میں جہاں ہم نے اس آیت کی تفسیر کی ہے، بعض ضروری حقائق بیان کئے ہیں، طالب تفصیل کو وہ فصل دوبارہ پڑھ لینی چاہیئے۔ اقوال سلف بھی اس بارہ میں ہمارے موید ہیں۔ درمنثور میں عبد الحمید بن جبیر سے

روایت ہے کہ میں نے ابن مسیب سے کہا کہ

وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ	اور ہم نے اس کو چھڑا لیا ایک
عَظِيمٍ ۔	ذبح عظیم کے بدلہ

یہ حضرت اسحاقؑ مراد ہیں؟ انھوں نے جواب دیا "معاذ اللہ! یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے! حضرت اسمٰعیلؑ مراد ہیں۔ حضرت اسحاقؑ تو اس استقامت کا صلہ ہیں"!

اس باب کی یہ آخری بحث ہے۔ ہم نے مختصر لفظوں میں جامع دلائل کی طرف صرف اشارہ کر دیئے ہیں۔ اگر ہم ان مباحث میں تفصیل کا حق ادا کرتے تو دلائل کی تعداد بہت بڑھ جاتی لیکن باب اول کی طرح اس میں بھی ہم نے صرف تیرہ دلیلیں بیان کیں اور یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کا سن قربانی کے وقت تیرہ برس کا تھا۔

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ
وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيمِ

باب سوم

روایات و اقوالِ سلف

۳۳۔ واقعۂ ذبح کے بارہ میں مختلف روایات موجود ہیں، اور ان پر غور کرنے سے تین اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ مسلمان تعصب سے بالکل پاک ہیں، چنانچہ انھوں نے ان روایات سے انکار نہیں کیا جن میں حضرت اسحٰقؑ کا قربان ہونا بیان کیا گیا ہے۔

(۲) دوسری یہ کہ ان روایات کا ماخذ تمام تر اہل کتاب ہیں۔

(۳) تیسری یہ کہ ارباب علم ونظر اس بات پر متفق ہیں کہ ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام ہی ہیں۔

آیندہ مباحث سے یہ تمام باتیں تحقیق کی روشنی میں آجائیں گی۔ یہ قطعی ہے کہ اس باب میں جو روایات منقول ہیں ان کا صحت کے ساتھ مرفوع ہونا ثابت نہیں ہے۔

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں دونوں طرح کی روایتیں ہیں اگر ان میں سے کسی روایت کی صحت ثابت ہوتی تو ہم اس کو ہرگز نظرانداز نہ کرتے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ قرآن سے اس روایت کی صحت ثابت ہوتی ہے جس میں حضرت اسحٰقؑ کا ذبیح ہونا بیان کیا گیا ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اس بنا پر ذبیح اسحاقؑ کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں کہ ان کے نزدیک قرآن اس روایت کا موید ہے یعنی جہاں تک روایات کا تعلق ہے ان میں سے تو کسی روایت کی صحت ثابت نہیں ہے البتہ ان کے خیال میں قرآنی اشارات کی روشنی میں ذبیح اسحاقؑ کی روایت ترجیح کی مستحق ہے۔ ہمارے نزدیک علامہ ابن جریرؒ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ فصل ۴ ۳ و ۵ ۳ میں ہم اس پر مفصل تنقید کریں گے۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں :-

"اہل علم کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسحٰقؑ ہیں۔ یہ قول سلف کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ اور بعض صحابہؓ سے بھی اس کی روایت کی گئی ہے لیکن اس باب میں کتاب و سنت سے کوئی بات ثابت نہیں ہے۔ میرے نزدیک ان تمام روایات کا ماخذ علمائے اہل کتاب ہیں۔ انھیں سے یہ روایت بغیر کسی دلیل و حجت کے قبول کر لی گئی ہے"

علامہ ابن جریرؒ نے دونوں قولوں کی روایت کر دی ہے: حضرت عباسؓ،

عبد المطلب، ابن عباسؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، کعب احبار، عبید بن عمیر، ابن سابط، ابن ابی الھذیل، ابو میسرہ، مسروق سے روایت ہے کہ ذبیح حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں۔ ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے متعدد روایات بواسطہ مجاہد، شعبی، عطاء بن رباح، یوسف بن مھران اور سعید بن جبیر اس مضمون کی ہیں کہ ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہیں۔ اسی مضمون کی روایات ابو الطفیل، عامر، یوسف بن مھران، مجاہد، حسن بصری اور محمد ابن کعب قرظی سے بھی ہیں۔ ابن کثیرؒ نے اس مضمون کی روایات ابن ابی حاتم کے واسطہ سے حضرت علیؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت سعید بن مسیبؓ، ابو جعفر محمد بن علی اور ابو صالح وغیرہ سے بھی نقل کی ہیں۔ بغوی نے اپنی تفسیر میں اسی مضمون کی روایت ربیع بن انس، ابو عمرو بن علاء اور بعض دوسرے بزرگوں سے نقل کی ہیں۔

سیوطی رحمہ اللہ نے پہلے قول کی روایت حضرت علیؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، ہبار، جابر بن عبد اللہ، سعید بن جبیر، ابو سعید خدریؓ، قتادہ، حسن، مجاہد اور عثمان بن حاضر سے بھی نقل کی ہے۔

ان روایات میں سے بعض میں ایسی تفصیلات بھی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سلف کے دور میں اس مسئلہ پر بحث و نظر بھی ہو چکی ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، مجاہد، قتادہ اور حسن رضی اللہ عنہم سے دونوں طرح کے قول منقول ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غور و بحث کے بعد جب ان کے سامنے ایک قول کی غلطی واضح ہوئی تو انھوں نے دوسرے قول کی طرف رجوع فرمایا۔ ہم اس قسم کی

روایات کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کرنا چاہتے ہیں[1]۔

۱۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ "ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہیں۔ یہود کا خیال ہے کہ ذبیح حضرت اسحاقؑ ہیں۔ یہود کا یہ قول بالکل جھوٹ ہے"۔

اس روایت سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اگر ان کے اس قول کی روایت کہ ذبیح حضرت اسحاقؑ ہیں، صحیح بھی ہے تو ان کی یہ رائے غور وبحث سے پہلے کی ہوگی جو اہل کتاب کے بیانات پر اعتماد کرنے کی وجہ سے قائم ہوئی ہوگی۔

۲۔ ابن اسحاق سے روایت ہے کہ انھوں نے محمد بن کعب قرظی کو فرماتے ہوئے سنا کہ "اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو ان کے دونوں بیٹوں میں سے جس بیٹے کی قربانی کا حکم دیا وہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا واقعہ ذبح جہاں بیان ہوا ہے اس سے یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذبح کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے:۔

وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِينَ	اور ہم نے اس کو اسحٰق کی بشارت دی جو نیکوکاروں میں سے نبی ہوگا۔

نیز فرمایا:۔

فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَاءِ إِسْحٰقَ يَعْقُوبَ۔	اور ہم نے اس کو اسحٰق کی خوشخبری دی اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی۔

---

[1] یہ تمام روایات تفسیر ابن جریر رحمۃ اللہ سے منقول ہیں، بقصد اختصار ہم نے سندیں حذف کر دی ہیں (مترجم)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جو بشارت ملی اس میں بیٹے اور پوتے کی بشارت بھی تھی۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ حضرت اسحٰقؑ کے ذبح کا حکم کیسے فرماتا جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے وعدے پورے ہونے والے تھے۔ پس یہ قطعی ہے کہ جس بیٹے کے ذبح کا حکم دیا وہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں۔"

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ "محمد بن کعب قرظی یہ بات اکثر فرمایا کرتے تھے۔"

۳۔ بریدہ بن سفیان، محمد بن کعب قرظی سے راوی ہیں کہ "انھوں نے بیان کیا کہ انھوں نے یہ بات حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے ان کی خلافت کے زمانہ میں شام میں ذکر کی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا۔ میں اس بات پر غور نہیں کرتا تھا اور میری رائے وہی تھی جو تم کہتے ہو۔ پھر ایک آدمی کو بلوایا جو یہودی سے مسلمان ہوا تھا اور اپنے اسلام پر ثابت رہا، وہ اس کو علماء یہود میں سے سمجھتے تھے۔

محمد بن کعب کہتے ہیں کہ ان کی موجودگی میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس سے سوال کیا کہ حضرت ابراہیمؑ کے دونوں بیٹوں میں سے کس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا تھا؟ اس نے جواب دیا "واللہ اے امیرالمومنین! حضرت اسمٰعیلؑ کو، اور یہود اس بات سے خوب واقف ہیں لیکن وہ آپ کی قوم عرب پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ان کے باپ کے بارہ میں ہو اور وہ شرف و فضل جو اس حکم الٰہی پر استقامت کی وجہ سے ان کو حاصل ہوا اور جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے ان کی طرف منسوب ہو، اس حسد کے باعث وہ اس کا انکار کرتے ہیں اور اس کو حضرت اسحٰقؑ کی طرف منسوب

کہتے ہیں کیونکہ وہ ان کے باپ ہیں۔"

علامہ ابن جریر نے اپنی تاریخ میں یہ روایت اسی قدر نقل کی ہے لیکن تفسیر میں اتنی بات زیادہ ہے:-

"اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ دونوں بیٹوں میں سے کون ذبیح ہوا۔ البتہ یہ قطعی ہے کہ دونوں پاکیزہ خلق، نیکوکار اور خدا کے فرمانبردار تھے۔"

یہ اضافہ محمد بن کعب کے بیان کا ٹکڑا نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ وہ بغیر کسی تردد کے یقین رکھتے تھے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہیں۔ ان کا قول اوپر گذر چکا ہے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ اضافہ علامہ ابن جریرؒ نے فرمایا ہو کیونکہ وہ بعض دلائل کی بنا پر جن کا ضعف واضح ہے اور جن پر آگے ہم بحث کریں گے حضرت اسحٰقؑ کے ذبیح ہونے کو ترجیح دیتے تھے لیکن چونکہ اس رائے پر پوری طرح مطمئن نہ تھے اس وجہ سے اپنا یہ اضطراب بھی ظاہر فرما دیا اور یہ اس امر کی ایک واضح دلیل ہے کہ ان کا دماغ تعصب سے بالکل پاک تھا۔

ہم بعض روایات میں ایسے قرائن موجود ہیں جن سے حضرت اسمٰعیلؑ کا ذبیح ہونا ثابت ہوتا ہے، اس طرح کی روایات متعدد ہیں۔ مثلاً:-

عامرؒ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا "فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ" میں حضرت اسمٰعیلؑ مراد ہیں اور مینڈھے کے دونوں سینگ کعبہ میں لٹکے ہوئے تھے۔"

شعبی سے روایت ہے کہ "ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہیں"۔ اور پھر انہی سے روایت ہو کہ

یں نے مینڈھے کے دونوں سینگ کعبہ میں دیکھے"۔

حضرت علی علیہ السّلام سے مروی ہے کہ انھوں نے "فَدَیْنَاہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ"

پر فرمایا کہ :-

"مینڈھا تھا، سفید، سینگوں والا، بڑی آنکھوں والا، ثبیر میں ایک

ببول سے بندھا ہوا"۔

عمرو بن عبید راوی ہیں کہ حضرت حسن فرماتے تھے کہ :-

"حضرت اسمٰعیلؑ کا فدیہ ایک مینڈھا ہوا جو پہاڑی مینڈھوں کی قسم میں سے تھا اور

ثبیر سے اترا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ذبح عظیم صرف اپنے ذبیحہ کے لئے نہیں فرمایا

بلکہ یہ وہ ذبح عظیم ہے جو ان کے دین کی سنت ہے اور یہ سنت قیامت تک باقی

رہے گی پس ذبیحہ بدی کے تعفن کو مٹانے والا ہے، پس اللہ کے بندو قربانی کرو"

ان روایات پر غور کرو، ان میں حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کے ذبیح ہونے کی

دلیلیں موجود ہیں۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ مینڈھے کے سینگ والی روایت نقل کرنے کے بعد

فرماتے ہیں :-

"اور یہ ایک مستقل دلیل اس بات کی ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام ہی ہیں"۔

اس روایت میں ثبیر کا ذکر بھی ہمارے نزدیک ہمارے دعویٰ کی ایک قوی دلیل ہے۔

اس تمام تفصیل سے یہ امر واضح ہے کہ حضرت اسحاقؑ کے ذبیح ہونے کی روایات

اگر صحیح بھی ہوں تو بھی یہ بحث و نظر سے پہلے کی ہوں گی۔ اور محض اہل کتاب کے بیانات پر اعتماد کر کے یہ رائے قائم کی گئی ہوگی۔ بعد میں جب دلائل سامنے آئے ہوں گے تو اس سے اعراض کیا گیا ہوگا۔

علامہ ابن کثیرؒ ذبیح اسحٰقؑ کی روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :۔

"دراصل یہ تمام اقوال وا للہ اعلم، کعب احبار سے ماخوذ ہیں، وہ جب حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں اسلام لائے تو حضرت عمرؓ سے اپنی قدیم مذہبی کتابوں سے اخذ کر کے روایات کرتے کبھی کبھی حضرت عمرؓ ان کی باتیں سن لیتے۔ اس سے لوگوں نے ان کی باتیں سننے اور ان سے روایت قبول کرنے کو عام طور پر جائز سمجھ لیا اور وہ ہر طرح کی رطب ویابس باتیں نقل کرنے لگے۔ حالانکہ اس امت کو ان کی ان معلومات میں سے ایک حرف کی بھی ضرورت نہیں تھی۔

آگے چل کر علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں :۔

"عبد اللہ بن امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے ذبیح کے بابت سوال کیا کہ حضرت اسمٰعیلؑ تھے یا حضرت اسحٰقؑ؟ انھوں نے جواب دیا اسمٰعیلؑ۔ اس کا ذکر انھوں نے "کتاب الزھد" میں کیا ہے۔ اور ابن ابی حاتم نے فرمایا کہ میں نے اپنے باپ سے سنا ہے، وہ فرماتے تھے کہ صحیح مذہب یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السّلام ہیں۔"

اس بارہ میں جو آثار مروی ہیں وہ ہم نے پیش کر دیئے۔ اب ہم مشہور علمار متاخرین کی

رائیں پیش کریں گے اور اگر ضرورت داعی ہوئی تو مختصر طور پر ان پر تنقید بھی کریں گے۔

ابن جریر رحمہ اللہ کے دلائل

۳۴۔ ابن جریر رحمہ اللہ فریقین کے اقوال و روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"قرآن کی دلالت، جس کے متعلق ہم نے کہا ہے کہ وہ حضرت اسحٰقؑ کے ذبیح ہونے کے بارہ میں ہے، ہمارے نزدیک زیادہ قرین صواب ہے جس وقت حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو چھوڑ کر اپنی بیوی سارہ کے ساتھ شام کی طرف ہجرت فرمائی ہے، ان کی اس وقت کی دعا قرآن نے ان الفاظ میں نقل کی ہے "قَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ٭ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ٭" (کہا میں اپنے پروردگار کی طرف جاؤں گا وہ میری رہبری فرمائے گا۔ پروردگار! مجھے صالح اولاد بخش) اور یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ نہ تو حضرت ابراہیمؑ ابھی حضرت ہاجرہ سے آشنا ہوئے ہیں اور نہ وہ حضرت اسمٰعیلؑ کی ماں بنی ہیں۔ پھر اسی سے متصل اللہ تعالیٰ نے اس قبولیت کا ذکر فرمایا ہے جو ان کی دعا کو حاصل ہوئی اور جس کے بموجب ان کو ایک بردبار بیٹے کی ولادت کی خوشخبری ملی، پھر ان کے رویا کا ذکر فرمایا کہ جب وہ بیٹا ان کے ساتھ دوڑنے پھرنے کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو وہ اس کو ذبح کر رہے ہیں۔"

یہ ابن جریر رحمہ اللہ کی پہلی دلیل ہے، اس کے بعد وہ اسی سے متصل اپنی دوسری دلیل بیان کرتے ہیں :۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے نام لے کر حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو اگر کسی بیٹے کی بشارت دی ہے تو وہ حضرت اسحٰقؑ ہیں۔ چنانچہ فرمایا: "وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ" (اور اس کی بیوی کھڑی تھی پس وہ ہنسی پس ہم نے اسحٰق کی خوشخبری دی اور اسحٰق سے یعقوب کی) دوسری جگہ ہے "فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لَا تَخَفْ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ" (تو اس نے ان سے ڈر محسوس کیا، بولے کہ تم ڈرو نہیں اور اس کو ایک ذی علم فرزند کی خوشخبری دی اس کی بیوی اس بات پر متعجب ہوئی اور اس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا میں تو ایک بڑھیا بانجھ ہوں) اسی طرح جہاں کہیں بھی حضرت ابراہیمؑ کو بیٹے کی خوشخبری دی ہے، تو وہ خوشخبری ان کی زوجہ سارہؑ کے بطن سے بیٹے کی ولادت کی ہے۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ قرآن مجید کے دوسرے نظائر پر قیاس کرکے "فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ" (پس ہم نے اسے ایک بردبار بیٹے کی خوشخبری دی) میں بھی بشارت کا تعلق اسی بیٹے سے سمجھا جائے جو سارہ کے بطن سے پیدا ہوا۔"

یہ علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ کی دوسری دلیل ہے۔ پھر اسی سے متصل انھوں نے مخالفین کے بعض اقوال کی تردید کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں :۔

"بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ جب کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کی خوشخبری کے ساتھ ساتھ حضرت یعقوبؑ کی خوشخبری بھی پہلے سے دیدی تو یہ بات اس سے مانع ہے کہ وہ ان کے ذبح کا بھی حکم دیدے لیکن یہ اعتراض ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہو یہ حضرت اسحٰقؑ کے ذبح کا حکم اس وقت ہوا ہے جب کہ وہ باپ کے ساتھ دوڑنے پھرنے کی عمر کو پہنچ چکے ہیں ممکن ہے کہ حضرت یعقوب کی ولادت ذبح کے حکم سے پہلے ہو چکی ہو اسی طرح جو لوگ اس سے دلیل پکڑتے ہیں کہ انھوں نے مینڈھے کے سینگ کعبہ میں لٹکے ہوئے دیکھے تو یہ بات بھی کچھ قوت نہیں رکھتی کیونکہ یہ کچھ محال نہیں ہے کہ سینگ شام سے لا کر کعبہ میں لٹکا دیئے گئے ہوں۔"

یہ علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کے استدلال کا خلاصہ ہے جو ہم نے خود ان کے لفظوں میں پیش کر دیا ہے اب ہم اس استدلال کی قوت پر ناقدانہ غور کرنا چاہتے ہیں۔

ابن جریر رحمہ اللہ کے دلائل پر تنقید

۳۵۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت اسحاقؑ کے ذبیح ہونے کی دو دلیلیں بیان

کی ہیں اور ساتھ ہی دو اعتراضوں کے جوابات دئے ہیں۔ یہ سب چار باتیں ہوئیں۔
اب ہم ان چاروں پر بالترتیب نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔

۱۔ علامہ ابن جریر رحمہ اللہ نے پہلی دلیل دعا اور بشارت کے اتصال سے پیدا کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ چونکہ بیٹے کے لئے ابراہیمؑ نے دعا اس وقت کی ہے جب کہ حضرت ہاجرہ سے ابھی واقف بھی نہیں ہوئے ہیں اس لئے لازماً یہ دعا حضرت سارہ سے اولاد کیلئے تھی، اور چونکہ بیٹے کی بشارت دعا کے ذکر سے بالکل متصل ہے اس لئے ناگزیر ہے کہ یہ بشارت حضرت سارہؓ کے بطن سے بیٹے کی ولادت کی ہو۔

ہمارے نزدیک یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا حضرت ہاجرہؓ سے ناآشنا ہونا اس امر کو مستلزم نہیں کہ ان کی دعا حضرت سارہؓ سے اولاد کے لئے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے بغیر کسی تعیین و تشخیص کے اولاد کے لئے ایک عام دعا کی ہو۔ اور یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کے لئے کچھ زیبا بھی نہیں ہے کہ وہ دعا میں ایک متعین صورت اللہ تعالیٰ کے سامنے تجویز کرکے رکھیں اور مخصوص طور پر حضرت سارہ ہی کے بطن سے اولاد کی تمنا کریں۔

ہمارے اس خیال کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ سے اولاد دی تو حضرت ابراہیمؑ نے اس کو اپنی دعا کی قبولیت سمجھ کر اس کا نام اسمٰعیل (یعنی اللہ نے اس کی دعا سنی) رکھا جیسا کہ خود قرآن کے اشارات سے اس پر روشنی پڑتی ہے:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِنَّ

سَأَلِيّ لَسَمِيْعُ الدُّعَاءِ (اس خدا کے لئے شکر ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق بخشے۔ بیشک میرا پروردگار دعا کا سننے والا ہے) اگر کوئی دعا خاص طور پر حضرت سارہ کے بطن سے اولاد کے لئے ہوتی تو لازماً وہ یہ نام (اسمٰعیلؑ) حضرت اسحٰقؑ کا رکھتے۔

بہرحال علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کا یہ استدلال ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے ان کے اس استدلال کی غلطی واضح ہو جانے کے بعد ہمارا استدلال اپنی جگہ پر پھر قائم ہو جاتا ہے کہ دعا اور بشارت کا اتصال اس امر کا ثبوت ہے کہ جس بیٹے کا ذکر دعا سے متصل ہوا ہے اس سے مراد وہی بیٹا ہے جو پہلے پیدا ہوا ہو جیسا کہ ہم بیسویں فصل میں اور اس کے بعد کی فصلوں میں بیان کر چکے ہیں۔ نیز فصل ۳۳ کی دوسری روایت میں یہی دلیل محمد بن کعب قرظیؒ نے آیات قرآن سے استنباط کر کے پیش کی ہے۔

۲۔ علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کی دوسری دلیل نظائر پر قائم ہے ان کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے لئے بیٹے کی جتنی بشارتیں قرآن میں اس مقام کے علاوہ مذکور ہیں سب حضرت اسحٰقؑ کے لئے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ یہ بشارت بھی ان ہی سے متعلق ہو۔

لیکن ہمارے نزدیک یہ بات کسی پہلو سے بھی ضروری نہیں۔ کسی ایک بات کا متعدد مقامات میں بیان ہونا اس امر کو مستلزم نہیں کہ ایک دوسری بات ایک دوسرے مقام میں نہ بیان کی جائے۔ پھر نظائر کی بنا پر جو دلیل قائم ہوتی ہے اس سے زیادہ سے زیادہ ایک احتمال قائم ہوتا ہے۔ بشرطیکہ کوئی دوسری نظیر یا دلیل اس کے مخالف

نہ پڑے۔ یہاں معلوم ہے کہ بہت سے نظائر اور دلائل اس کے خلاف ہیں جیسا کہ تفصیل کے ساتھ پچھلی فصلوں میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ از انجملہ ایک نہایت کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ حضرت اسحاقؑ کی بشارت پورے قرآن میں کہیں بھی نہ تو واقعہ ذبح کے بیان کے ساتھ لگی ہوئی مذکور ہے اور نہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے متصل۔ پس یہ بشارت ان تمام بشارتوں سے ایک بالکل مختلف حالت رکھتی ہے جو حضرت اسحٰقؑ کے بارہ میں وارد ہیں۔ پھر موقع زیر بحث میں حضرت اسحٰق علیہ السّلام کی بشارت کا اس کے بعد آنا اس امر کا نہایت قوی ثبوت ہے کہ پہلی بشارت دوسری بشارت سے بالکل مختلف ہے۔ پس علامہ ابن جریرؒ نے نظیر کی بنا پر جو دلیل قائم کی اس سے زیادہ قوی نظیر اس کی مخالفت کر رہی ہے۔

۲۔ جو لوگ اس بنا پر حضرت اسحٰقؑ کا ذبیح ہونا غلط سمجھتے ہیں کہ ان کی ولادت کی بشارت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان سے حضرت یعقوبؑ کی ولادت کی بشارت بھی دی، ان کا جواب علامہ ابن جریرؒ یہ دیتے ہیں کہ "ممکن ہے کہ حضرت یعقوبؑ حضرت اسحٰقؑ کے ذبح کے حکم سے پہلے پیدا ہو چکے ہوں"۔

ہمارے نزدیک علامہ ابن جریرؒ کا یہ جواب کسی طرح بھی صحیح نہیں تسلیم کیا جا سکتا کیونکہ ذبیح کا نوخیز اور کمسن ہونا تورات اور قرآن دونوں سے معلوم ہے۔ اتنی بات فریقین میں متفق علیہ ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت یعقوبؑ حضرت اسحٰقؑ کے بڑھاپے میں پیدا ہوئے ہیں، یا تو حضرت ابراہیمؑ کی وفات کے بعد یا اس سے کچھ پہلے۔ ہم اس مسئلہ پر دسویں فصل میں بحث کر چکے ہیں جس کو تفصیل کی خواہش ہو اس فصل کو پڑھے۔ بلکہ ہمارا دعویٰ تو اس سے

[...]ایک قدم آگے ہے۔ ہم نے تو یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو یہ امتحان حضرت اسحٰقؑ کی [و]لادت سے پہلے پیش آیا اور اس کے وجوہ کی تفصیل ہم چھٹی، گیارہویں فصل اور بتیسویں [ف]صل کی پانچویں وجہ میں بیان کر چکے ہیں۔ بہرحال یہ جواب کہ حضرت اسحٰقؑ کی قربانی حضرت [یع]قوبؑ کی ولادت کے بعد ہوئی ہوگی بالکل غلط ہے۔

۴۔ بعض روایت میں حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے مینڈھے کی سینگوں کا خانہ [ک]عبہ میں دیکھا جانا بھی بیان ہوا ہے۔ علامہ ابن جریرؒ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ "یہ ناممکن [ن]ہیں ہے کہ سینگ شام سے لاکر خانہ کعبہ میں رکھ دیئے گئے ہوں۔"

ہمارے نزدیک یہ سینگ والی روایت قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ قرآن میں اس کی تائید [م]یں کوئی اشارہ بھی نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس کا ثبوت اور عدم ثبوت دونوں ہمارے [ن]زدیک یکساں ہیں۔ بہتر تو یہ تھا کہ اس سے سرے سے بحث ہی نہ کی جاتی۔ لیکن جب علامہ ابن جریرؒ نے اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے تو ضروری ہے کہ ان کے جواب کی [ن]وعیت پر غور کر لیا جائے۔

ہر چند کہ امکان عقلی کا دائرہ نہایت وسیع ہے لیکن قوموں کے حالات و عادات کے اعتبار سے یہ بات نہایت مستبعد معلوم ہوتی ہے کہ کسی قوم کے قدیم آثار مقدسہ اتنی سہولت کے ساتھ اس کے پاس سے منتقل ہو کر کسی دوسری قوم کے پاس چلے جائیں۔ اور وہ اس پر راضی بھی ہو جائے۔ اس طرح کے معاملات پر دنیا میں بڑی بڑی خونریز جنگیں برپا ہو چکی ہیں۔ قبل از اسلام کی تاریخ میں ہم کو کوئی ایسا واقعہ نہیں معلوم جب کہ عربوں نے

یہود و نصاریٰ کو مغلوب کیا ہو اور اس سلسلہ میں یہ مقدس یادگار ان کے ہاتھ آئی ہو۔
اس طرح کا کوئی واقعہ اگر پیش آیا ہوتا تو یقیناً یہ دونوں قوموں کی تاریخ کا سب سے زیادہ اہم اور مشہور واقعہ ہوتا اور بچہ بچہ اس کو جانتا ہوتا۔ پس ہمارے نزدیک علامہ ابن جریرؒ کی یہ بات بھی بالکل بے معنی ہے۔

تفسیر کبیر اور کشاف کے بیانات کا خلاصہ اور بعض

ضروری تنبیہات

۳۶۔ امام رازی رحمہ اللہ نے اس بحث میں وہی طریقہ اختیار کیا ہے جو علامہ زمخشریؒ نے اختیار کیا ہے یعنی انھوں نے دونوں فریق کے دلائل بیان کر دیئے ہیں۔ اگرچہ کشاف کی عبارت زیادہ مختصر اور واضح ہے لیکن چونکہ امام رازی کی تفسیر شہرت و مقبولیت کے اعتبار سے زیادہ اونچی ہے اس لئے ہم نے اسی سے نقل کرنا پسند کیا۔ امام رازیؒ ان لوگوں کے نام ذکر کرنے کے بعد جن کی طرف دونوں قول منسوب کئے گئے ہیں، فرماتے ہیں :۔

جو لوگ قائل ہیں کہ ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہیں ان کے دلائل یہ ہیں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اَنَا ابْنُ الذَّبِیْحَیْنِ"۔ (میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں) اور ایک مرتبہ ایک اعرابی نے آپ کو "ابن الذبیحین" کہہ کر مخاطب

کیا تو آپ مسکرائے۔ جب اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ عبدالمطلب نے جب چاہ زمزم کھودنے کا ارادہ کیا تو منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کام میں حسب منشا کامیابی عطا فرمائی تو وہ اپنے ایک بیٹے کی قربانی کریں گے۔ جب یہ کام حسب خواہش پورا ہوگیا اور وقت آیا کہ نذر پوری کریں اور بیٹوں پر قرعہ ڈالا تو قرعہ عبداللہ کے نام نکلا لیکن ان کے ماموں نے اس معاملہ میں رکاوٹ ڈال دی کہ عبداللہ کو ذبح نہ کیا جائے بلکہ ان کے بدلہ میں سَو اونٹ بطور فدیہ دیدیئے جائیں۔ چنانچہ عبدالمطلب نے سَو اونٹ فدیہ میں دیدیئے۔ اور دوسرے ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السّلام ہیں۔ (ابن جریرؒ نے اس روایت کو ذکر کیا ہے اور کسی قدر اختلاف کے ساتھ ابن کثیرؒ نے بھی نقل کیا ہے۔ لیکن اسکی سند ضعیف بتائی ہے۔ اگر روایت صحیح ہوتی تو یہ اس بارہ میں بالکل قطعی تھی، کیونکہ یہ اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے)

۲۔ اصمعیؒ سے روایت ہے کہ میں نے ابوعمرو بن علاء سے ذبیح کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا "اے اصمعی! تمھاری عقل کہاں ہے! اسحٰقؑ مکہ میں کب تھے! مکہ میں تو اسمٰعیلؑ تھے۔ ان ہی نے اپنے باپ کے ساتھ مل کر بیت اللہ کی تعمیر کی، اور قربانگاہ مکہ میں ہے۔"

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیلؑ کے صبر کی تعریف فرمائی ہے، لیکن حضرت اسحٰق علیہ السّلام کے لئے اس وصف کا ذکر نہیں کیا ہے! "وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ۔" (اور اسمٰعیل اور یسع اور ذوالکفل صابروں میں سے تھے)

یقیناً حضرت اسمٰعیلؑ کا یہ صبر وہی صبر ہے جو ذبح کے وقت انھوں نے دکھایا۔ نیز ان کی تعریف میں صادق الوعد کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے باپ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ ذبح کے امتحان میں ثابت قدم رہیں گے۔ چنانچہ انھوں نے امتحان پیش آنے پر اپنے اس وعدہ کو سچا کر دکھایا۔

۴۔ قرآن مجید میں وارد ہے: "فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ" (پس ہم نے اس کو خوشخبری دی اسحٰق کی اور اسحٰق سے یعقوب کی) اب اگر ذبیح حضرت اسحٰقؑ ہیں تو یا تو ان کے ذبح کا حکم حضرت یعقوبؑ کی ولادت سے پہلے ہوا ہے یا ان کی ولادت کے بعد۔ ولادت سے پہلے ذبح کا حکم ہونا علانیہ غلط ہے کیونکہ جب حضرت اسحٰقؑ کی بشارت کے ساتھ ان سے یعقوبؑ کے پیدا ہونے کی بھی بشارت دی گئی۔ تو حضرت یعقوبؑ کی ولادت سے پہلے حضرت اسحٰقؑ کے ذبح کا حکم دینا کسی طرح جائز نہیں ورنہ اس سے اس وعدہ کی خلاف ورزی لازم آتی ہے جو مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ میں کیا گیا ہے۔ اور ولادت کے بعد ذبح کا حکم دینا یوں غلط ہے کہ قرآن مجید میں وارد ہے کہ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ (پس جب وہ اس کے ساتھ دوڑنے پھرنے کی عمر کو پہنچا۔ کہا اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں) جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیٹا جب دوڑنے پھرنے کی عمر کو پہنچا اور اس قابل ہوا کہ کچھ اپنے ہاتھوں کر دھر سکے

تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اس کے ذبح کا حکم دیا۔ یہ بیان اس امر کے صریحاً منافی ہے کہ یہ واقعہ کسی دوسرے زمانہ میں پیش آئے۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت اسحٰقؑ کا ذبیح ہونا کسی طرح بھی ثابت نہیں۔ (ہر چند کہ اس بیان میں غیر ضروری طوالت ہے لیکن دلیل کا پہلو واضح ہے)۔

۵۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق قرآن مجید میں منقول ہے کہ انھوں نے ہجرت کے وقت فرمایا کہ "اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ" (میں اپنے پروردگار کی طرف جاؤں گا وہ میری رہبری فرمائے گا) پھر انھوں نے اللہ تعالیٰ سے ایک بیٹے کے لئے دعا کی جو دیار غربت میں دلبستگی کا ذریعہ ہو۔ "رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ" (پروردگار! مجھے صالح بیٹا بخش) یہ دعا اسی حالت میں موزوں ہوسکتی ہے جب ان کے کوئی اولاد نہ ہو۔ کیونکہ اگر کوئی بیٹا ان کو مل چکا ہوتا تو ایک بیٹے کے لئے وہ دعا نہ کرتے جو چیز ان کو حاصل ہے اس چیز کے مانگنے کے کوئی معنی نہیں "هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ" (مجھے نیکوکاروں میں سے ایک بخش) کے الفاظ ایک بیٹے کی طلب کے مفہوم کے لئے بالکل واضح ہیں۔ لفظ مِنْ تبعیض کے لئے آتا ہے اور تبعیضیت کا ادنیٰ درجہ ایک ہے۔ پس "مِنَ الصّٰلِحِیْنَ" کے الفاظ سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ انھوں نے ایک بیٹے کے لئے دعا کی۔ پس یہ سوال اسی حالت میں موزوں ہوسکتا ہے جب ان کے کوئی اولاد نہ رہی ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ دعا اس وقت کی ہے جب انھوں نے پہلے بیٹے کے لئے دعا کی ہے اور اس امر پر لوگوں کا اتفاق ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام

عمر میں حضرت اسحٰقؑ سے بڑے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اس دعا میں مراد حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام ہیں۔ پھر اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے ذبح کا واقعہ بیان فرمایا ہے جس سے یہ بات نکلی کہ ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہی ہو سکتے ہیں۔

(اس بیان کا الجھاؤ اور ضعف استدلال واضح ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس سے یہ بات نکلتی ہو کہ انھوں نے ایک ہی بیٹے کے لئے دعا کی تھی لیکن اس میں دلیل کا جو پہلو ہے وہ نمایاں ہے۔ اور ہم اس کو بیسویں اور اکیسویں فصل میں بیان کر چکے ہیں۔ وہاں دیکھنا چاہیئے)۔

۷۔ متعدد روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خانۂ کعبہ میں مینڈھے کے سینگ موجود تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبح کا واقعہ مکہ میں پیش آیا۔ اگر ذبیح حضرت اسحٰقؑ ہوتے تو یہ واقعہ شام میں پیش آتا۔

جو لوگ مدعی ہیں کہ ذبیح حضرت اسحٰقؑ ہیں وہ دو دلیلیں بیان کرتے ہیں:۔

۱۔ آیت کے اول و آخر سے ثابت ہوتا ہے کہ ذبیح حضرت اسحٰقؑ ہیں۔ آیت کے شروع میں حضرت ابراہیمؑ کی زبانی منقول ہے "اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ" (میں اپنے پروردگار کی طرف جاتا ہوں وہ میری رہبری فرمائے گا)۔ علماء کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد وہ ہجرت ہے جو انھوں نے شام کی طرف فرمائی ہے۔ پھر اس کے بعد ہے "فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ"۔ (پس ہم نے اس کو ایک بردبار بیٹے کی خوشخبری دی)۔ ضروری ہے کہ اس سے مراد حضرت اسحٰقؑ ہوں۔ پھر اس کے بعد ہے۔ "فَلَمَّا بَلَغَ

مَعَهُ السَّعْیَ" (پس جب وہ اس کے ساتھ دوڑنے پھرنے کی عمر کو پہنچا) یہ الفاظ تقاضا کرتے ہیں کہ دوڑنے پھرنے کی عمر کو پہنچ جانے والے بیٹے سے وہی بیٹا مراد ہو جو شام میں پیدا ہوا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آیت کے ابتدائی حصّہ میں اس امر کا نہایت واضح ثبوت موجود ہے کہ ذبیح حضرت اسحٰقؑ ہیں۔

یہی حال آیت کے آخری حصّہ کا ہے۔ اس سے بھی یہی نکلتا ہے کہ قربان ہونے کا شرف حضرت اسحٰقؑ ہی کو حاصل ہوا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ذبح کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ" (اور ہم نے اس کو خوشخبری دی اسحٰق کی جو نبی ہوگا نیکوکاروں میں سے) جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت اسحٰقؑ کے نبی ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔ اب اس بشارت کا واقعہ ذبح کے بعد آنا چاہتا ہے کہ ان کی نبوت کی بشارت اس وجہ سے دی گئی ہو کہ وہ اس آزمائش میں پورے اترے جو ذبح کے سلسلہ میں ان کو پیش آئی۔ الغرض جیسا کہ ہم نے کہا، آیت کا شروع اور آخر دونوں حضرت اسحٰقؑ کے ذبیح ہونے کو چاہتا ہے۔

(علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کی پہلی دلیل یہی ہے اور اس میں جو کھلی ہوئی کمزوری ہے اس کو بینتیسویں فصل میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس کو دیکھنا چاہیئے)۔

۲۔ دوسری دلیل وہ مشہور خط ہے جو حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کو لکھا اور جو یوں شروع ہوتا ہے: "من یعقوب اسرائیل نبی اللہ ابن اسحاق

ذبیح اللہ ابن ابراھیم خلیل اللہ" (اس طرح کی روایات کی تردید کی ضرورت نہیں ہے۔ فراہی) اس باب کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے۔ اور زجاج فرمایا کرتے تھے۔ کہ "اللہ بہتر جانتا ہے کہ دونوں میں کون ذبیح ہے"

اس مسئلہ پر امام رازیؒ نے جو کچھ لکھا ہے وہ اوپر بیان ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے دونوں فریق کے دلائل بیان کر کے معاملہ کو بس یہیں ختم کر دیا ہے۔ ان دلیلوں کی جانچ پڑتال پر توجہ نہیں کی ہے۔ اور نہ یہی کھولا ہے کہ وہ خود کس گروہ کے ساتھ ہیں۔ صاحب کشاف نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ لیکن ان کا عام قاعدہ یہ ہے کہ وہ جس مذہب کو پہلے بیان کرتے ہیں اور جس کے دلائل کو زیادہ پھیلا کر لکھتے ہیں وہی مذہب ان کے نزدیک لائق ترجیح ہوتا ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ کے بیانات کا خلاصہ

۳۷۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر روایۃً و درایۃً دونوں طریقوں سے بحث کی ہے۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ وہ ان دونوں چیزوں میں اونچا درجہ رکھتے ہیں۔ اس سے متعلق بعض روایات کا خلاصہ ہم نے تینتیسویں فصل میں دیا ہے۔ اب ہم ان کے وہ دلائل بیان کرتے ہیں جو انھوں نے قرآن اور تورات سے اخذ کئے ہیں اور جن سے علامہ ابن جریرؒ کے توہمات دور کرنے کی کوشش کی ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں "فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: -

یہاں غلام سے مراد حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام ہیں۔ یہی پہلے بیٹے ہیں جن کی پیدائش کی حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو خوشخبری دی گئی۔ مسلمان اور اہل کتاب دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ یہ حضرت اسحٰقؑ سے بڑے تھے۔ توریت سے تو یہاں تک ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۸۶ برس کی تھی اور حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیمؑ ننانوے برس کے تھے۔ (یہاں علامہ ابن کثیر سے تھوڑا سا تسامح ہوگیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی یہ عمر اس وقت تھی جب ان کو حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی خوشخبری ملی ہے۔ حضرت اسحاقؑ کی ولادت کے وقت وہ پورے سنّو سال کے تھے، جیسا کہ چھٹی فصل میں ہم نے بیان کیا ہے۔ فراہی) اہل کتاب کے یہاں یہ امر مسلّم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو اکلوتے بیٹے کے ذبح کا حکم ہوا تھا۔ اور توراۃ کے ایک نسخہ میں "بکر" (پہلوٹھے بچے) کے الفاظ بھی ہیں۔ اس موقع پر انھوں نے بالکل جھوٹ حضرت اسحٰقؑ کا نام ڈال دیا ہے حالانکہ یہ بات ان کی کتاب کے صریح بیانات کے قطعی خلاف ہے۔ حضرت اسحٰقؑ کا نام داخل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان کے باپ تھے اور حضرت اسمٰعیلؑ عربوں کے باپ تھے۔ محض حسد کے سبب سے انھوں نے اپنی کتاب میں یہ تحریف کر ڈالی۔ انھوں نے "اکلوتے" کے معنی تحریف کر کے یہ کر دئے کہ "وہ جس کے سوا تیرے ساتھ

کوئی اور نہیں " کیونکہ حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ کو مکہ پہنچا دیا گیا تھا۔ یہ کھلی ہوئی تحریف ہے کیونکہ "اکلوتا" تو وہی ہو سکتا ہے جس کے سوا کوئی اور بیٹا نہ ہو[1]۔ نیز یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ پہلوٹھے بیٹے کو جو قدر و عزت حاصل ہوتی ہے وہ بعد کی اولادوں کو حاصل نہیں ہوتی۔ پس جانچ اور امتحان کے لئے مناسب یہی تھا کہ پہلوٹھے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا جائے۔"

اس کے بعد علامہ ابن کثیرؒ ان لوگوں کا ذکر کرتے ہیں جو قائل ہیں کہ ذبیح حضرت اسحٰقؑ ہیں۔ اور فرماتے ہیں:۔

"ہمارے نزدیک یہ بات علماء یہود کے بیانات سے بغیر کسی تحقیق کے لے لی گئی ہے اور یہ کتاب الٰہی صاف شہادت دے رہی ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہی ہیں۔ اس میں ایک "غلام حلیم" کی بشارت ہے، پھر یہ بیان ہو کہ وہ ذبیح ہے، پھر اس کے بعد ہے "وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ"۔ اور جب ملائکہ نے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحٰقؑ کی بشارت دی ہو تو کہا "إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ"۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ"۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحٰقؑ کی زندگی

---

[1] ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ بیر سبع میں حضرت اسمٰعیلؑ ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیمؑ ان کو قربان گاہ (مروہ) کی طرف لے گئے اور پھر وہیں ان کو بسایا۔ (دیکھو فصل ۵) (فراہی)

ہی میں حضرت اسحٰقؑ کو اللہ تعالیٰ ایک بیٹا عنایت فرمائے گا جس کا نام یعقوب ہوگا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی نسل بھی چلے گی۔ ایسی حالت میں جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں یہ کسی طرح جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ بالکل بچپنے کی حالت میں ان کے ذبح کا حکم دیدے کیونکہ وہ وعدہ فرما چکا ہے کہ اس بیٹے سے نسل برپا ہوگی۔"
پھر آگے چل کر فرماتے ہیں :۔

"اور حضرت اسمٰعیلؑ کی صفت یہاں حلیم ہونا بیان فرمائی ہے کیونکہ موقع کے لحاظ سے مناسب یہی ہے اور ساتھ ہی فرمایا ہے کہ "فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ۔"
یعنی جب سیانے ہوئے اور اپنے باپ کے ساتھ چلنے پھرنے لگے۔"
پھر فرماتے ہیں :۔

"یہ بات انھوں نے بیٹے کو بھی جتا دی تاکہ اطاعتِ الٰہی اور اطاعت پدری میں بیٹے کی بھی استقامت وعزیمت کا امتحان ہوجائے۔ ادھر سے جواب ملا "يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ" یعنی اللہ تعالیٰ نے میرے ذبح کا جو حکم آپ کو دیا ہے وہ پورا کیجئے۔ "سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ" یعنی میں اس پر انشاء اللہ ثابت قدم رہوں گا اور اس کے صلہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے امید کروں گا۔ پھر پوری استقامت کے ساتھ اپنے اس وعدہ کی سچائی ثابت کر دی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کا ذکر فرمایا "وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ

وَالزَّکوٰۃِ وَکَانَ عِنْدَ رَبِّہٖ مَرْضِیًّا ۔" (اور یاد کرو کتاب میں اسمٰعیل
کو، وہ قول کا پکا اور رسول و نبی تھا، اپنے گھر والوں کو وہ نماز اور زکوٰۃ کی تلقین
کرتا تھا اور اپنے خداوند کی نظروں میں پسندیدہ تھا) "
اس کے بعد علامہ ابن جریرؒ کی دلیل کے ماخذ کا ذکر کر کے لکھتے ہیں :۔
"اسی پر اپنی تفسیر میں انھوں نے اعتماد کیا ہے، حالانکہ یہ کوئی مذہب نہیں ہے۔ یہ
اصل حقیقت سے بہت دور ہے۔ البتہ محمد بن کعب قرظیؒ نے جس چیز سے اس بات
پر استدلال کیا ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہیں وہ نہایت صحیح اور نہایت مضبوط ہے۔"
اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جہاں تک ظاہری دلائل کا تعلق ہے علامہ ابن کثیرؒ نے
ان میں سے اکثر بیان کر دیئے ہیں اور متاخرین میں کوئی شخص بھی اُن سے آگے نہیں جا سکا ہے۔
اس وجہ سے ہم متاخرین کے اقوال زیادہ نقل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ البتہ
اگلی فصل میں بعض مشہور متاخرین کے اقوال محض اس خیال سے نقل کریں گے کہ ان کا
نقطۂ نظر بھی سامنے آجائے۔

بعض مشہور متاخرین کے اقوال

۳۸۔ تمام مشہور مفسرین میں سے، علامہ ابن جریرؒ کے سوا مجھے کوئی شخص ایسا
نہیں ملا ہے جو قطعیت کے ساتھ حضرت اسحٰقؑ علیہ السّلام کے ذبیح ہونے کا قائل ہو، صرف

علامہ ابن جریرؒ نے حضرت اسحٰقؑ کے ذبیح ہونے کے مذہب کو ترجیح دی ہے اور اس کی تائید میں دلیلیں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ باقی تمام مفسرین دو حصوں میں تقسیم ہیں۔ ایک جماعت دونوں مذہبوں کو نقل کرکے ذبیح اسمٰعیلؑ کے مرجح ہونے کی طرف اشارہ کردیتی ہے اور دوسری جماعت نہایت وضاحت وتصریح کے ساتھ اس بات کی قائل ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام ہی ہیں۔

مدارک میں ہے:۔ "ظاہر قول یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام ہیں۔"

بیضاوی میں ہے:۔ "واضح بات یہ ہے کہ اس کے مخاطب حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام ہیں۔"

جلالین میں ہے کہ: "اسمٰعیلؑ مراد ہیں یا اسحاقؑ، دونوں مذہب ہیں۔"

میری نظر سے امام سیوطیؒ کا ایک رسالہ "الحق الصریح فی تعیین الذبیح" گذرا ہے جس میں وہ دونوں فریق کے اقوال و روایات جمع کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔ کہ

"پہلے میرا خیال تھا کہ ذبیح حضرت اسحٰق علیہ السّلام ہیں لیکن اب اس معاملہ میں میں نے توقف اختیار کرلیا ہے۔"

درمنثور میں بھی ان کی یہی روش ہے، انھوں نے دونوں مذہب بغیر کسی ترجیح کے نقل کردیئے ہیں۔ غالباً توقف سے ان کا منشا یہ ہے کہ قطعیت کے ساتھ وہ ان میں سے کسی ایک مذہب کی ترجیح کا فیصلہ نہیں کرسکے ہیں۔ ورنہ ویسے مرجح ان کے نزدیک بھی ذبیح اسمٰعیل ہی ہے۔ کم ازکم تفسیر جلالین سے ایسا ہی مترشح ہوتا ہے۔

بغوی اور خازن سے صرف دونوں مذہبوں کی روایات نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ کسی مذہب کو ترجیح نہیں دی ہے۔

ہمارے علمار نے اس معاملہ میں جو روش اختیار کی اس کے بہت سے اسباب ہیں اور نامناسب نہ ہوگا اگر ان میں سے بعض کی طرف یہاں اشارہ کر دیا جائے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ علمائے اسلام بالکل غیر متعصب تھے۔ کسی پیغمبر کو دوسرے پیغمبروں پر ترجیح دینے کے لئے ان کے اندر کوئی متعصبانہ جذبہ نہیں تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت کی تاویل میں جب تک ان کے سامنے کوئی واضح دلیل موجود نہیں ہوتی تھی وہ کسی خاص پہلو کو جزم و قطعیت کے ساتھ اختیار کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔

اسی طرح ہمارے متاخرین کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ سلف کا انتہائی حد تک احترام ملحوظ رکھتے تھے جس مسئلہ میں وہ سلف کی رائیں مختلف پاتے تھے اس میں کسی ایک پہلو کو قطعیت کے ساتھ ترجیح دینے سے وہ احتراز کرتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کرتے کہ جو مذہب خود ان کے نزدیک مرجح ہوتا اس کی طرف اشارہ کر دیتے۔ البتہ اگر کسی شخص کے سامنے کوئی مسئلہ بالکل ہی واضح ہو جاتا تو پھر اس کے اظہار و اعلان میں اس کو کوئی تذبذب بھی نہ ہوتا۔

علامہ ابن جریرؒ کا علانیہ ذبیح اسحٰقؑ کے مذہب کو ترجیح دینا اس امر کا نہایت واضح ثبوت ہے کہ علمائے اسلام نے اس معاملہ کو تعصب و عناد کی نظر سے بالکل نہیں دیکھا۔

الغرض اس مسئلہ میں جتنا کچھ بھی اختلاف ہے وہ اس قسم کا اختلاف ہے جس قسم کا اختلاف اہل حق و انصاف میں پایا جاتا ہے جو خالص فکر و نظر کا پیدا کردہ ہوتا ہے نفس اور خواہش کی اس میں کوئی ملاوٹ نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ نے سچے اصحاب علم کی یہی تعریف بھی فرمائی ہے:۔

اَلَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ	جو بات کو سنتے ہیں پھر اچھی بات
اَحْسَنَہٗ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ	کی پیروی کرتے ہیں یہی ہیں جن کو
ھَدٰىھُمُ اللّٰہُ وَ اُولٰٓئِکَ	اللہ نے ہدایت بخشی ہے اور یہی
ھُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔	ہیں جو عقل مند ہیں۔

اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اس مسئلہ میں ہمارے علماء کے اندر جو تھوڑا بہت اختلاف ہے اس سے بھی زیادہ تر اسی مذہب کی تائید ہوتی ہے جس کو ہم نے دلائل سے ثابت کیا ہے یعنی ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔

اہل عرب کے اقوال اور اُن کے حالات قبل از اسلام سے استدلال

۳۹۔ باب اوّل اور باب دوم میں دو دلیلیں بیان ہو چکی ہیں جو یہود اور اہل عرب کے حالات اور خانۂ کعبہ اور بیت المقدس کے مراسم و مناسک سے ماخوذ تھیں۔ اُن کی

روشنی میں ہم نے دیکھ لیا ہے کہ بنائے ابراہیمی صرف خانۂ کعبہ ہی ہو سکتا ہے اور ذبیح صرف حضرت اسمٰعیلؑ ہی ہو سکتے ہیں جو خانۂ کعبہ کے پڑوس میں بسائے گئے۔ جو لوگ تاریخی قرائن و آثار سے استدلال کے عادی ہیں ان کے لئے ان ابواب میں کافی مواد و بحث و تحقیق موجود ہے لیکن ہم اصل بحث کے تتمہ کے طور پر اس میں مزید اضافہ کرتے ہیں تاکہ اس اشارہ کی پوری تفصیل ہو جائے جو قرآن پاک کی مندرجۂ ذیل آیت میں مضمر ہے:-

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ	اس میں نہایت واضح نشانیاں
إِبْرَاهِيمَ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ	ہیں۔ ابراہیم کے سکونت کی جگہ اور
آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ	جو اس میں داخل ہوا وہ مامون
حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ	ہوا اور لوگوں پر اللہ کے لئے
إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَن كَفَرَ	بیت اللہ کا حج کرنا ہے جو وہاں تک
فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ	پہنچنے کی استطاعت پاوے اور جس نے
(آل عمران - ۹۷)	انکار کیا تو اللہ دنیا والوں سے بے پروا ہے

اس آیت میں "آیاتٌ بیّناتٌ" (کھلی ہوئی نشانیاں) سے مراد جیسا کہ ہم فصل ۴ میں بیان کر چکے ہیں، وہ قطعی دلائل ہیں جو سب کے نزدیک بلا اختلاف مسلم تھے۔ سرزمین مکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی قربان گاہ، اور ان کی تعمیر کی ہوئی مسجد کا وجود اور ان کی اولاد کا اس قربانگاہ اور مسجد سے متعلق تمام آداب و رسوم کا نسلاً بعد نسلٍ قبول کرنا اور ان کا قائم رہنا۔ یہ ایسے امور ہیں جو شہرت اور تواتر کی آخری حد کو پہنچ چکے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا

تو کیسے ممکن تھا کہ تمام عرب ان باتوں پر اتفاق کر لیتا اور جو لوگ اس دینی مرکز کے متولی تھے ان کی مذہبی سیادت سب کے نزدیک مسلم ہو جاتی اور حج کے مہینوں میں لڑائی جیسے محبوب مشغلہ سے یہ لوگ باز رہتے۔ قبائل کی باہمی جنگ دیگار، ان کا نسلی اختلاف و تفاخر، مختلف بتوں اور تھانوں کا وجود، یہ سب باتیں ان کی یکجہتی اور اتحاد کے خلاف تھیں تاہم خانہ کعبہ اور اس کے آداب و مناسک کے اہتمام و احترام میں سب ایک دل تھے۔ یہ حیرت انگیز صورت حالات اس امر کا نہایت قوی ثبوت ہے کہ کعبہ کی تعمیر اور اس کے پڑوس میں اپنی ذریت کو آباد کرتے وقت حضرت ابراہیمؑ نے جو دعا فرمائی تھی وہ قبول ہوئی۔ اور چونکہ اس تعمیر ابراہیمی کی محبت و عظمت حضرت ابراہیمؑ کی تمام ذریت بلکہ تمام اہل عرب کے دلوں میں جاگزیں تھی اس وجہ سے مشہور متعصب ابرہہ نصرانی عربوں کو بیت اللہ کے حج سے کسی طرح بھی نہ روک سکا یہاں تک کہ عاجز آکر اس نے بالآخر کعبہ کے ڈھا دینے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ قرآن نے اس کی اس شرارت کا ذکر ان لفظوں میں فرمایا ہے:۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ	اور ان سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا
مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ	ہے جو اللہ کی مسجدوں کو اللہ کے
فِيهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ	ذکر سے محروم کریں اور ان کی
خَرَابِهَا أُولٰٓئِكَ مَا كَانَ	ویرانی کے درپے ہوں، یہ وہ لوگ
لَهُمْ أَنْ يَّدْخُلُوْهَآ	تھے جن کے لئے زیبا نہ تھا کہ وہ
إِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا	ان میں داخل ہوتے مگر ڈرتے

خِزْیٌ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ — ہوئے۔ ان کے لئے دنیا میں رسوائی اور

عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ (بقرۃ ۱۱۴) — آخرت میں ایک بڑا عذاب ہے۔

قبل از اسلام عربوں کے حالات کا اتنا حصّہ پوری قطعیت کے ساتھ معلوم ہے جو اس باب میں ان کے اقوال و بیانات تو یہ معلوم ہے کہ اس کا بہت ہی تھوڑا حصّہ ہم تک پہنچ سکا ہے تاہم ان کے کلام کا جو مختصر مجموعہ ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے اس میں اس بات کے نہایت قوی دلائل موجود ہیں کہ اہل عرب کعبہ کو خدا کا گھر سمجھتے رہے ہیں اور اسی کے پاس (جیسا کہ ... میں بیان کیا گیا ہے) ابراہیمی قربانگاہ بھی ہے نیز قربان پہلوٹھا بیٹا ہوا اور پہلوٹھے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام تھے جیسا کہ تورات میں تصریح ہے اور جیسا کہ مسلمان اور اہل کتاب دونوں اس پر متفق ہیں۔

نابغہ نے اپنے ایک مشہور قصیدہ میں رب کعبہ کی قسم کھائی ہے اور یہ قسم ان کے ہاں سب سے بڑی قسم تھی، اس قصیدہ میں وہ کہتا ہے:۔

فلا لعمر الذی مسحت کعبتہ — وما هریق علی الانصاب من جسد

پس نہیں! اس ذات کی قسم جس کے کعبہ کا میں نے طواف کیا اور ان مقدس خونوں کی قسم جو تھانوں پر بہائے گئے۔

والمومن العائذات الطیر یمسحها — رکبان مکۃ بین الغیل والسعد

اور اس ذات کی قسم جو پناہ ڈھونڈنے والی ان چڑیوں کو پناہ دیتی ہے جن پر مکہ کے قافلے غیل اور سعد کے درمیان گذرتے ہیں گمان کو ستاتے نہیں۔

"غیل" کی روایت فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ کی گئی ہے۔ اصمعی نے اس کی روایت

فتحہ کے ساتھ کی ہے وہ کہتا ہے کہ "الغیل" بفتح غین "الچشمہ" کے معنی میں ہے اور نابغہ نے اس سے مراد وہ چشمہ لیا ہے جو ابو قبیس سے نکلتا تھا۔ ابو عبیدہ نے اس کی روایت "بکسر غین" کی ہے ان کے نزدیک غیل اور سعد دونوں جھاڑیاں ہیں جو مکہ اور منیٰ کے مابین نشیب میں تھیں جہاں پانی جمع ہو جایا کرتا تھا۔ یہ بیان تورات کے بیان کے بالکل مطابق ہے۔ پیدائش ب ۲۲-۱۳ میں ہے:۔

"اور ابرہام نے نگاہ کی اور اپنے پیچھے ایک مینڈھا دیکھا جس کے سینگ جھاڑی میں اٹکے ہوئے تھے۔ تب ابرہام نے جا کر اس مینڈھے کو پکڑا۔"

یہ بیان کسی طرح اس مقام پر چسپاں نہیں ہوتا جس کے قربان گاہ ہونے کے مدعی یہود و نصاریٰ ہیں نابغہ نے یہاں خانہ کعبہ کا ذکر اس کی تمام مخصوص صفات کو پیش نظر رکھ کر کیا ہے۔ وہ بیت اللہ ہے، وہ لوگوں کے لئے دار الامن ہے، یہاں تک کہ چڑیاں بھی اس میں امان پاتی ہیں پھر وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ غیل اور سعد کے پاس ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تصریح محض تعریف کے قصد سے نہیں ہو سکتی کیونکہ خانہ کعبہ کی شہرت اس طرح کی تعریف سے بالکل مستغنی تھی تمام لوگ اس کو جانتے پہچانتے تھے۔ پھر عرب شعراء کا یہ طریقہ بھی نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کی تعریف و توصیف ایسے خصوصیات و حالات کے ذکر سے کریں جن کو محل و مقام سے کوئی مناسبت نہ ہو یہ موقع بیان عظمت و شان کا ہے اس لئے یقیناً یہ اشارہ خانہ کعبہ کے سبب تقدس کی طرف ہو گا یعنی یہ خانہ کعبہ قربان گاہ ہے جو اس جھاڑی کے پاس ہے جس میں حضرت اسمٰعیلؑ کا فدیہ بننے والے مینڈھے کے سینگ اٹکے ہوئے تھے۔ گویا ذبح کے سلسلہ میں تورات میں جو کچھ بیان

ہوا ہے۔ نابغہ کے شعروں میں اس کی طرف ایک لطیف تلمیح ہے۔

امیہ بن ابی الصلت نے واقعہ ذبح کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور ایسے قرائن اور ایسی تصریحات کے ساتھ بیان کیا ہے جن کا تعلق صرف حضرت اسمٰعیلؑ ہی سے ہو سکتا ہے۔ وہ اپنے مشہور قصیدہ میں کہتا ہے:۔

ولابراهیم الموفی بالنذر احتسابا وحامل الاجذال

اور ابراہیم کے لئے جو راستبازی کیساتھ نذر پوری کرنیوالے اور خوشی خوشی قربانی کیلئے ایندھن لے جانیوالے تھے۔

بکره لم یکن لیصبر عنه او یراه فی معشر اقتال

اپنے پہلوٹھے کی نذر جس کے فراق کو برداشت نہ کر سکتے تھے اور نہ اس کو دشمنوں کے اندر دیکھ سکتے تھے۔

ابنی انی نذرتک لله شحیطا فاصبر فدی لک حالی

اے بیٹے! میں نے تمہیں خاک و خون میں آغشتہ خدا کی نذر مانا ہے، پس ثابت قدم رہنا، میری جان تم پر قربان۔

واشدد الصفد لا احید عن السکین شد الاسیر ذی الاغلال

ہاتھ پاؤں باندھ دیجئے، میں چھری سے بھاگوں گا نہیں، بندھے ہوئے قیدی کی طرح

وله مدیة تخایل فی اللحم حذام خنیفة کالهلال

اور اس کے ہاتھ میں چھری تھی، گوشت کے اندر تبختر کے ساتھ چلنے والی تیز، ہلال کے مانند ٹیڑھی۔

بینما یخلع السرابیل عنه فکه ربه بکبش جلال

ابھی وہ اس کا قمیص اتار ہی رہا تھا کہ خدا نے ایک کڑیل مینڈھے کا فدیہ دیکر اس کو چھڑا لیا

فخذن ذا دا اسل ابنك انی   الذی قد فعلتما غیر قال

اس کو لو، اپنے بیٹے کو چھوڑ دو، میں تم دونوں کے فعل سے راضی ہوں۔

والد تیقی و آخر مولو   د فطاس امنه بسمع فعال

خدا ترس باپ اور جانباز بیٹا، دونوں اس سے حسن شہرت کے آسمان پر پہونچے۔

ربما تجزع النفوس من الامر   له فرجة کحل العقال

بعض مرتبہ لوگ بعض مشکلات سے گھبراتے ہیں، حالانکہ بندھن کی طرح اس کی گرہ کھل جاتی ہے۔

اس نے تصریح کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلوٹھے بیٹے کو قربان کیا اور پہلوٹھے بالاتفاق حضرت اسمٰعیلؑ ہیں۔ نیز اس امر کی بھی تصریح کی ہے کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے نذر تھے۔ اور یہی قرآن مجید سے بھی مفہوم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم نہیں دیا تھا جیسا کہ باب اول اور باب دوم میں گذر چکا ہے۔

خاتمہ

ایک اجمالی مگر جامع نظر

۴۰۔ اکثر حقائق کا یہ حال ہے کہ ان کے آگے پیچھے باطل کا ایسا غبار اٹھا دیا گیا

ہے کہ ایک طالب حقیقت کو اصل حقیقت تک پہنچنے کے لئے تمام دفتر معقول ومنقول کو پوری دقت نظر کے ساتھ کھنگالنا پڑتا ہے اور یہ ایک ایسا کام ہے جو بعض حالتوں میں ہمتوں کو پست اور اصل معاملہ کو اور زیادہ الجھا کے رکھدیتا ہے۔ میں اس فصل میں استدلال کی ایک ایسی راہ کھولنا چاہتا ہوں جو اصل مقصد تک بغیر کسی مشقت وصعوبت کے پہنچاتی ہو۔ یہ طریقہ میرے نزدیک اس قسم میں داخل ہے جس کو میں اوپر "جوامع الادلہ" کے نام سے ذکر کر آیا ہوں، اور جس کی کسی قدر تفصیل فصل ۱۳ میں بیان ہوئی ہے۔ یہاں میں اس کو مختصراً ایک ایسے جامع طریق کی صورت میں پیش کرنا چاہتا ہوں جو تورات اور قرآن کے بیانات کو یکجا کردے۔

یہ معلوم ہے کہ تورات اور قرآن مجید میں بعض امور تو یکساں تفصیل وتوضیح کے ساتھ بیان ہوئے ہیں اور بعض میں ایسا ہوا ہے کہ تورات میں واقعہ کے جو حصے بیان نہیں ہوئے ہیں قرآن نے وہ بیان کئے ہیں۔ اس واقعہ میں بھی بالکل یہی صورت ہے۔ قرآن نے واقعہ کے وہ حصے کھول دیئے ہیں جو تورات میں موجود نہیں ہیں اس وجہ سے اگر دونوں کی بیان کی ہوئی تفصیلات یکجا کردی جائیں تو اصل حقیقت پوری تفصیل و وضاحت کے ساتھ سامنے آجائے گی۔

پہلے تورات کو لو۔ اس میں یہ ہے کہ قربانی اکلوتے بیٹے کی ہوئی۔ نیز یہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے مذبح بنایا، بیت ایل کے مشرق میں سکونت اختیار کی، اور ایک مقدس مقام میں جو اللہ نے ان کو دکھایا، اپنے بیٹے کی قربانی کی۔ یہ باتیں تورات میں وضاحت

کے ساتھ بیان ہوئی ہیں، لیکن تورات میں اس کا پتہ نہیں چلتا کہ حضرت ابراہیمؑ کا قیام کہاں تھا؟ یہ بیت ایل کہاں واقع تھا؟ اور نہ ہی بیت ایل کے پاس ان کا اپنی اولاد میں سے کسی کو دینی خدمت کی غرض سے بسانے اور اس کے حج کرنے کا کوئی ذکر ہے۔

ان امور کی پوری تفصیل قرآن مجید نے فرمائی ہے۔ اس میں ہم کو ملتا ہے کہ ان تمام کاموں میں حضرت اسمٰعیلؑ اپنے باپ کے شریک و سہیم رہے۔ پھر تورات یا قرآن کسی سے بھی اس امر کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ حضرت اسحٰقؑ کنعان سے اس معبد کے پاس آئے بھی ہوں، اس کے پاس رہنا اور بسنا تو درکنار۔ ان تمام امور کو سامنے رکھ کر اگر غور کرو گے تو یہ بات تم پر پوری طرح واضح ہو جائیگی کہ یہ صرف حضرت اسمٰعیلؑ ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ اپنے بھائی حضرت اسحٰقؑ کی ولادت سے پہلے اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے وہی تھے۔ وہی مکہ میں بیت اللہ کی خدمت کے لئے نذر کئے گئے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَعَهِدْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِۦمَ وَإِسْمَٰعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِينَ وَٱلْعَٰكِفِينَ وَٱلرُّكَّعِ ٱلسُّجُودِ ۔ (البقرۃ۔ ۱۲۵)

اور ہم نے ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کو یہ خدمت سونپی کہ میرے گھر کو طواف کرنیوالوں اور اعتکاف کرنیوالوں اور رکوع سجدہ کرنیوالوں

اور حضرت اسحٰقؑ برابر کنعان ہی میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہیں ان کو برکت دی اور وہیں سے ان کی اولاد مصر میں داخل ہوئی اور پھر وہ تمام واقعات پیش آئے جن کی تفصیل صحیفوں میں مذکور ہے۔ یہ تمام تفصیل جو ہم نے پیش کی ہے ان لوگوں کے لئے بالکل واضح ہے جن کو عقل و بصیرت کی روشنی ملی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى نَبِيِّهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

استاذ امام مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی

بعض عربی تصنیفات

۱۔ فاتحہ نظام القرآن وتاویل الفرقان بالفرقان:۔ یہ کتاب استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی تین کتابوں کا مجموعہ ہے۔ مقدمہ تفسیر نظام القرآن، تفسیر آیۃ بسم اللہ، تفسیر سورۂ فاتحہ۔ مقدمے میں مولاناؒ نے اپنی تفسیر کے تمام اصول بیان کئے ہیں اور ان تمام اصولی مباحث سے تعرض کیا ہے جن کی قرآن پر تدبر کرنے والے ہر طالب کو ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ اصولی مباحث سترہ ہیں۔

آخر میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہے۔ ان تفسیروں میں مصنفؒ نے جو حکیمانہ نکات وحقائق بیان کئے ہیں وہ مطالعہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ قیمت ۷۵ نئے پیسے

۲۔ امعان فی اقسام القرآن:۔ اس کتاب میں قرآن مجید کی قسموں کے متعلق تمام اصولی مباحث کی تفصیل کی گئی ہے۔ اور اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو اس طرح بے نقاب کیا گیا ہے کہ اس نے اس باب میں بالکل حرف آخر کی حیثیت حاصل کرلی ہے یہ کتاب اپنے حجم کے اعتبار سے اگرچہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی لیکن اپنے معارف کے لحاظ سے صدہا کتابوں پر بھاری ہے۔ مطبوعہ مصر۔ قیمت ۸/

الرای الصحیح فی من ہو الذبیح :- اس کتاب میں اہل کتاب کے دعویٰ کے خلاف قرآن مجید اور تورات کے نہایت محکم دلائل سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذبیح ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ کتابت وطباعت متوسط قیمت ۵۰ نئے پیسے

تفسیر سورۃ الفیل :- اس کتاب کی ہر فصل ایک مستقل کتاب ہے۔ واقعۂ فیل کی اصلی حقیقت اس کتاب کی اشاعت سے پہلے بالکل مجہول تھی جس سے سورہ کی تفسیر میں طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ مولانا نے کلام عرب کی مدد سے واقعے کی تمام تفصیلات فراہم کر کے تمام تاریخی غلطیوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ واقعۂ طیر کو بھی عجائب پرستی نے بالکل دوسرا رنگ دے دیا تھا۔ مولانا رحمۃ اللہ نے اس واقعے کے متعلق بھی عینی شاہدوں کی شہادتیں جمع کر کے اس کی اصل حقیقت آشکارا کر دی ہے اور اسی سلسلے میں رمی جمرات اور حج کے دوسرے مراسم کے اسرار و حکم نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ کتابت وطباعت بہترین۔ کاغذ عمدہ۔ قیمت ۵۰ نئے پیسے

تفسیر سورۂ لہب :- اس کتاب میں اس عام خیال کی مدلل تردید کی گئی ہے کہ یہ سورہ بددعا ہے۔ ابولہب اور اس کی بیوی کے وجوہ ذکر نہایت اثر انگیز ہیں۔ اس تفسیر کی اصلی عظمت کا اندازہ صرف مطالعے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ کتابت وطباعت متوسط، کاغذ متوسط قیمت ۲۵ نئے پیسے

مفردات القرآن :- اس کتاب میں استاذ امام نے قرآن مجید کے بعض مشکل الفاظ کی جن کے بارہ میں وہ دوسرے مفسرین اور عام اہل لغت سے اختلاف رکھتے تھے تحقیق بیان کی ہے اور کلام عرب سے اپنے قول کی تائید میں دلائل

پیش کئے ہیں۔ قابل دید چیز ہے۔ کتابت وطباعت عمدہ، قیمت ۵ روپئے پیسے

جمہرۃ البلاغۃ:۔ اس کتاب میں استاذ امامؒ نے مروجہ علم بلاغت کو جو سکاکی اور جرجانی کی کتابوں میں ہے یونانیوں سے ماخوذ ثابت کیا ہے اور یہ دکھایا ہے کہ عربی ادب خصوصاً قرآن حکیم کی خوبیوں کو جانچنے کے لئے یہ فن بلاغت کسی طرح کسوٹی کا کام نہیں دے سکتا ساتھ ہی فصحائے عرب کے کلام سے بلاغت کے وہ اصول متعین کئے ہیں، جو قرآن کی بلاغت کو پرکھنے کے لئے معیار کا کام دے سکتے ہیں۔ کتابت وطباعت عمدہ، قیمت عہر

ملنے کا پتہ

دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڈھ

مصنفؒ کی دوسری کتابوں کے اردو ترجمے

مقدمۂ تفسیر نظام القرآن:- یہ کتاب استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی بے نظیر تصنیف "فاتحہ نظام القرآن وتاویل الفرقان بالفرقان" کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں مولاناؒ نے اپنی تفسیر نظام القرآن کے وہ اصول بیان کئے ہیں جن کی ضرورت قرآن مجید پر تدبر کرنے والے ہر طالب کو عموماً پیش آتی ہے۔ کتابت وطباعت عمدہ۔ قیمت ۸۰ پیسے

اقسام القرآن:- یہ کتاب استاذ امامؒ کی بے مثال تصنیف "امعان فی اقسام القرآن" کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں قرآن مجید کی قسموں کے متعلق تمام اصولی مباحث کی تفصیل کی گئی ہے۔ اور اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو اس طرح بے نقاب کیا گیا ہے کہ اس نے اس باب میں بالکل حرف آخر کی حیثیت حاصل کر لی ہے۔ یہ کتاب اپنے حجم کے اعتبار سے اگرچہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی لیکن اپنے معانی کے لحاظ سے صدہا کتابوں پر بھاری ہے۔ کتابت وطباعت عمدہ۔ قیمت صرف ایک روپیہ ۲۵ نئے پیسے

ملنے کا پتہ

دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، ضلع اعظم گڈھ